3

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۴

شمارہ نمبر ۳

مارچ ۲۰۲۰ء
MARCH 2020

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی　　عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی　　محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۴۰/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۳۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم 6
- اہل بیت اور اہلسنّت ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- ملک کے موجودہ حالات اور برسوں ..... سرفراز احمد ملی القاسمی 12
- ملک کی سلامتی کے لئے دعاؤں کا ..... ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی 16
- میاں بیوی کے تلخ تعلقات اور سرپرستوں کا رول ..... مفتی محمد عبداللہ قاسمی 20
- قرآن میں ہر شخص اپنا تذکرہ پڑھ لے ..... ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی 25
- اسلامی تشخص نشانے پر ..... ڈاکٹر عبدالغفار مہکری 29
- عہد نبویؐ میں نظام حکومت ..... محمد ادریس عاصم 32
- حقوق نفس ..... شہید حکیم محمد سعید 34
- سوال و جواب ..... مفتی راشد حسین ندوی 36
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ 37
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی 41-42

اپنی بہنوں سے

مدیر

آج پوری دنیا میں اسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف زبردست مہم چلائی جارہی ہے خصوصاً اسلامی معاشرہ اور مسلمان خواتین نشانہ پر ہیں پورا یورپ اور اس کی یہودنواز تنظیمیں اسلامی معاشرہ کو بگاڑنے اور مسلمان خواتین کو اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ چونکہ یورپ کا معاشرہ بگڑتے بگڑتے اس قدر بدبودار اور گندگی کا ڈھیر بن گیا ہے کہ اس معاشرہ میں رہنے والے افراد چاہے مرد ہوں یا عورت اچھائی اور برائی کی تمیز سے محروم ہوگئے ہیں اور اس گندگی، غلاظت اور بدبو کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ یہ گندگی ان کے لیے خوشبو بن گئی ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا نتیجہ صرف تباہی بربادی ہے۔ اس کا شکار پورا یورپی معاشرہ ہو چکا ہے جو اب تمام انسانی قدروں، خصوصیات سے محروم ہو چکا ہے اور جانوروں سے بدتر حالات اور کیفیات کا شکار ہو چکا ہے۔ اب یہودی اور عیسائی تنظیمیں یہ چاہتی ہیں کہ مسلمان معاشرہ بھی اسی گندگی کا شکار ہوجائے اور مسلم عورت بھی اسی طرح ننگ انسانیت مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائے جیسے یورپ کی عورتیں ایک کھلونا بن کے رہ گئی ہیں اور اپنی عفت وعصمت، شرم وحیا، پاکیزگی سب کچھ لٹا کر بازار کا سامان بن گئی ہیں۔ یورپ میں ہر چیز الٹ گئی ہے لباس کو لیجئے مردوں کا لباس ایسا ہوگیا ہے کہ گردن سے لے کر پاؤں تک ڈھکا ہوا اور عورتیں لباس سے عاری دکھائی دیں گی۔ موسم تک کا لحاظ نہیں غذا میں پاک اور طیب چیزوں سے پرہیز، شراب اور گندی چیزیں غذا کا جز دکھائی دیں گی۔ معاشرتی قدروں میں ہر قسم کی آزادی، نہ نکاح کی ضرورت، نہ خاندان کی شیرازہ بندی کی خواہش، پورا یورپ آزاد مردوں اور عورتوں کا ایک جنگل ہے جہاں نہ خاندان ہے نہ خاندانی قدریں، نہ محبت و الفت ہے نہ ہمدردی وغمگساری۔ بوڑھے والدین کو گھروں سے نکال دینا اور ان کی خبر گیری نہ کرنا۔ اولاد تک سے محبت اب عنقا ہوتی جارہی ہے۔ جرائم چاہے اخلاقی ہوں یا سیاسی یورپ کی پہچان بن گئے ہیں۔

یہی یورپ اب چاہتا ہے کہ مسلمان بھی اعلیٰ اسلامی خصوصیات کو چھوڑ کر یورپ کی جانوروں سے بدتر طرز زندگی کو اپنالیں اس کے لیے ہر میدان میں کوشش کی جارہی ہے۔ اسکولوں کے ذریعہ بھی، ٹی وی، ویڈیو، اخبارات کے ذریعہ بھی۔ اگر ہم نے اس شیطانی مہم کا مقابلہ ایمانی جذبہ اور اسلامی حرارت سے نہ کیا تو وہ دن دور نہیں کہ ہماری عوام اور آئندہ نسل اسلامی طرز معاشرت سے محروم ہوکر یورپ کے کھودے ہوئے تباہی کے گڑھوں میں گر کر تباہ ہوجائے گی۔

امۃ اللہ تسنیم

مردوں کی عورتوں سے اور عورتوں کی مردوں سے مشابہت کرنے کی حرمت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت نما مردوں اور مرد نما عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا لباس اختیار کرتے ہیں اور اُن عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا لباس پہنتی ہیں۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو قسم کے لوگ دوزخی ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا نہیں ہے۔ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ سلم کے زمانہ میں ایسے لوگ نہیں تھے اب ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی من وعن ظاہر ہوگئی) ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ گاؤ دم کوڑے ہیں، اسی کوڑے (یہ لوگ دربان سپاہی وغیرہ ہیں جو مظلوم کو حاکم تک جانے نہیں دیتے بلکہ مارتے ہیں) سے لوگوں کو مارتے ہیں۔ دوسرے وہ عورتیں ہیں جو ظاہر میں تو کپڑے پہنے ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں۔ (یعنی ظاہر میں لباس ہو لیکن جسم اندر سے صاف چھلکتا ہے) مائل کرنے والیاں اور خود مائل ہونے والیاں ان کے سر بختی اونٹوں کے جھکے ہوئے (یعنی ناز سے سر کو کندھوں پر جھکا کر چلتی ہیں) کوہان کے مثل ہیں ایسی عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی اور اس کی خوشبو بہت دور سے ملتی ہے۔ (مسلم)

شیطان کی مشابہت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ بائیں ہاتھ سے کھایا پیا نہ کرو۔ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم خضاب (مہندی کا خضاب سنت ہے جو خضاب بالوں کو سیاہ کردے وہ درست نہیں) کیا کرو تاکہ ان کی مخالفت ہو۔ (بخاری۔ مسلم)

بال سیاہ کرنے کی ممانعت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد) لائے گئے، ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ (ثغامہ ایک سفید رنگ کا درخت ہے برف کی مانند سفید) کی طرح سفید تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو رنگ دو مگر سیاہ نہ کرنا۔ (مسلم)

کچھ سر مونڈنے اور کچھ چھوڑ دینے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مسلم) (کچھ بال منڈوائے جائیں اور کچھ

چھوڑ دیئے جائیں اس کو قزع کہتے ہیں)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دیکھا جس کا آدھا سر منڈا تھا اور آدھے میں بال تھے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا، اور فرمایا، یا تو تمام بال منڈوادو یا بالکل نہ مونڈو۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن آل جعفر کو چھوڑ رکھا (یعنی ان کو رنج سے منع نہیں فرمایا) تین دن کے بعد آپ تشریف لائے اور فرمایا اب میرے بھائی (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے) پر نہ رونا، پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو لاؤ۔ پس ہم لوگ لائے گئے۔ گویا ہم چوزے تھے، آپ نے نائی کو بلوایا اور ہمارے سروں کو مونڈنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی)

بال میں بال ملانے اور گودنے اور دانتوں کو تیز کرنے کی ممانعت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ میری بیٹی کے بیماری کی وجہ سے بال جھڑ گئے ہیں اور میں اس کی شادی کرنے والی ہوں تو کیا میں دوسرے کے بال لگا کر اس کے بال بڑھادوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بال جوڑ کر بڑھانے اور بڑھوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حج کے سال منبر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ بالوں کا ایک گچھا جو ان کے پہرہ دار سپاہی کے ہاتھ میں تھا۔ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگے اے مدینہ والو تمہارے علماء کہاں (تمہارے علماء کو کیا ہوا ایسے کاموں سے روکتے نہیں) ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے بنی اسرائیل تب ہی ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑ کر بڑھانے والی اور بڑھوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے گودنا، گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور بال اکھیڑنے والیوں اور دانتوں کو ریت کر پتلا کرنے والیوں پر جو حسن بڑھانے کی خاطر کرتی ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تبدیلی کرتی ہیں ان پر لعنت کی، تو ایک عورت نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بحث کی۔ (تمہارے علماء کو کیا ہوا ایسے کاموں سے روکتے نہیں) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس پر کیوں نہ لعنت بھیجوں جس پر حضور نے لعنت کی ہے۔ کلام مجید میں تو موجود ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

وما آتکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا۔

جو تم کو رسول دیں اس کو لے لو اور جن سے منع کریں اس سے باز رہو۔

(سورۃ الحشرات آیت: ۷)

سفید بال اکھیڑنے کی ممانعت

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سفید بال نہ اکھیڑو یہ قیامت میں مسلمانوں کے لئے نور ہوں گے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہماری شریعت میں نہیں ہے وہ رد ہے۔ (مسلم)

○○○

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اہل بیت اور اہلسنت

اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں تعاون کرنے کا حکم دیا ہے، اور گناہ کے کاموں میں مددگار بننے سے منع فرمایا ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ:۲) نیکی کے کاموں میں تعاون کی صورتوں میں ایک نہایت ہی اہم صورت یہ ہے کہ داعیان حق کا ساتھ دیا جائے، کیونکہ اگر خیر و بھلائی کی دعوت میں بہت سے لوگ شریک ہو جائیں تو اس کا نتیجہ خیز اور ثمر آور ہونا آسان ہو جاتا ہے، اور دعوت کا کام ایک انفرادی عمل سے بڑھ کر تحریک بن جاتا ہے، دنیا میں جتنے لوگوں نے خیر و صلاح کی دعوت دی ہے، ان میں سب سے برگزیدہ ہستیاں وہ تھیں، جن کے سروں پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا تاج رکھا تھا، ان ہی ہستیوں کو ہم نبی کہتے ہیں، انبیاء کا کام بہت دشوار ہوا کرتا تھا، کیونکہ وہ اس دور میں مبعوث کئے جاتے تھے، جب سماج میں بگاڑ اپنی انتہا پر پہنچ جاتا تھا اور عمل کے بگاڑ کے ساتھ انسان کی سوچ بھی بگڑ جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ بری باتوں کو اچھی بات، تاریکی کو روشنی اور رات کو دن سمجھنے لگتے تھے، ان کو اس غلط موقف سے ہٹانے اور صحیح راستہ پر لانے کے لئے بڑی محنتوں اور ریاضتوں سے گزرنا پڑتا تھا، علمی بصیرت، کردار کی پاکیزگی، تفہیم کی صلاحیت اور سب سے بڑھ کر خیر خواہی اور دردمندی کا غیر معمولی جذبہ، یہ سب مل کر حالات کو بدلتے تھے، اسی لئے انبیاء کے رفقائے عالی مقام کا بڑا اونچا مقام ہے۔

قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں، حضرت یوشع علیہ السلام کے فرمانبردار سپاہیوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثابت قدم حواریوں کا اسی حیثیت سے ذکر کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کسی ایک گروہ، علاقہ، نسل اور خاندان کے لئے نہیں تھی، بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے تھی، اس لئے آپ کو نسبتاً زیادہ مخلص، جاں نثار، صاحب بصیرت، عالی حوصلہ، جذبۂ ایمانی سے سرشار، مصیبتوں اور آزمائشوں کی آگ سے گزرنے اور طوفان سے ٹکرانے کی صلاحیت رکھنے والے معاونین و انصار عطا فرمائے گئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں ان کی تعریف و توصیف فرمائی، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے ان کے لئے مژدۂ حق سنایا گیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

نبی کے علاوہ کسی کی شخصیت معصوم نہیں ہوتی، اس میں صحابہ بھی شامل ہیں، بلکہ یہ بھی ہوا کہ جس بات کا ارتکاب نبی کے شایان شان نہیں تھا، من جانب اللہ صحابہ سے اس کا ارتکاب کرایا گیا، تاکہ امت جن واقعات سے دوچار ہو سکتی ہو، اس کا حل اس کے سامنے آجائے، اسی لئے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس شخص نے بھی بحالت ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور ایمان ہی پر اس کی موت ہوئی، وہ صحابی ہے، اور ہر صحابی عادل اور عند اللہ مغفور ہے، صحابہ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، ان سے محبت میری محبت کی دلیل ہے اور ان سے بغض مجھ سے بغض رکھنا ہے:

اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابہ، لا تتخذوھم غرضا من بعدی، من

أحبهم فبحبي أحبهم، و من أبغضهم فببغضي أبغضهم (ترمذی، حدیث نمبر:۳۸۶۲) بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستاروں کی مماثل قرار دیا ہے: أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم۔ (جمع الفوائد، حدیث نمبر:۸۵۵۴) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر صحابی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوبیوں کے اعتبار سے امت کے لئے مشعل راہ بنایا ہے، اگرچہ یہ روایت سند کے اعتبار سے حد درجہ ضعیف ہے، بلکہ بعض حضرات نے موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے، لیکن بعض اہل فن جیسے: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری روایات سے مطابقت کی وجہ سے مضمون کے اعتبار سے اس کو معتبر مانا گیا ہے۔ (المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر:۴۸)

پھر یوں تو تمام ہی صحابہ آپ کے برگزیدہ رفقاء اور امت کے لئے مرکز محبت اور لائق احترام ہیں، لیکن صحابہ میں بھی فرق مراتب ہے، خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہونے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے کو اہلسنت والجماعت کا شعار قرار دیا ہے، اسی طرح ایمان لانے کے اعتبار سے جن لوگوں نے شرف سبقت حاصل کیا، ان لوگوں کا خصوصی درجہ ہے، جن کو قرآن نے ''سابقون الاولون'' (توبہ: ۱۰۰) کہا ہے، ان میں ام المومنین حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، پھر وہ صحابہ ہیں جو مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مشرف بہ ایمان ہوئے، ان ہی میں مہاجرین حبشہ بھی ہیں، پھر بدری صحابہ ہیں، جنہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر حق و باطل کے اس پہلے معرکہ میں شرکت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ بارگاہ ربانی کے وہ مقبول بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: آج کے بعد تم سب مغفور ہو۔ (بخاری، حدیث نمبر:۹۰۴۸) اس کے بعد ان صحابہ کا نمبر آتا ہے، جو ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شریک ہوئے، اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے اگر جنگ ہوتی تو ان میں سے کوئی فرد شاید بچ نہیں پاتا، اسی لئے بعض صحابہ نے اس بیعت کو موت پر بیعت قرار دیا ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۴۱۶۹) اس واقعہ کے دو سال بعد فتح مکہ کا معرکہ پیش آیا، اور جوق در جوق لوگ ایمان لائے، بحیثیت مجموعی ان کو آخری درجے میں رکھا گیا ہے۔

بعض دوسری حیثیتوں سے بھی صحابہ کے درمیان فرق مراتب پایا جاتا ہے، جیسے امور قضاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو، تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو، اور حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی مقام حاصل ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو علوم اسلامی کے تمام ہی میدان میں نمایاں حیثیت کی حامل ہیں، بعض صحابہ کو مخصوص اخلاقی اوصاف میں خصوصی مقام حاصل تھا، جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت کے ساتھ رحم اور فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوش حق اور معاملہ فہمی میں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حیا اور انفاق میں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ زہد میں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جذبۂ جہاد میں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دعوت اسلام میں، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شعر وادب کے ذریعہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع میں، اگرچہ ان اوصاف میں دوسرے صحابہ بھی شریک تھے، لیکن ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

اسی طرح فضیلت کا ایک اہم سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے، یوں تو مکہ کے اکثر خاندانوں میں آپ کی رشتہ داریاں تھیں اور بنو امیہ اور بنو ہاشم دو

بڑے قبائل تھے، جن میں باہم کافی رشتہ داریاں تھیں، خود آپ کے دو داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بنوامیہ سے تھے، لیکن بنوہاشم اور بنومطلب سے آپ کی قربت سب سے بڑھ کر تھی، انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی نصرت وحمایت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، اور دین حق کے لئے سب سے زیادہ آزمائشوں اور ابتلاؤں کو برداشت کیا، یہاں تک کہ بنوہاشم جب دامن اسلام میں نہیں آئے تھے، اس وقت بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پشت پناہی کی، شعب ابی طالب میں بائیکاٹ کا جو تکلیف دہ واقعہ پیش آیا، اس میں بھی بنوہاشم آپ کے ساتھ رہے، اور آپ کا ساتھ دینے کی وجہ سے وہ بھی اس آزمائش سے دوچار کئے گئے، اللہ کا جو فیصلہ ہو وہ تو پورا ہوکر ہی رہتا ہے، لیکن ظاہری اسباب کے لحاظ سے اگر بنوہاشم مشکلات اور مصیبت کی ان گھڑیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہوتے تو آپ کا تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں قیام کرنا دشوار ہوتا، اس لئے بحیثیت قبیلہ وخاندان بنوہاشم کو خاص فضیلت حاصل ہے، چنانچہ حضرت واصلہ بن اسقعؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔ (مسلم عن ابی عمار، حدیث نمبر: ۲۲۷۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بعض لوگوں کی کچھ بات پہنچی جو آپ کو ناگوار گزری، آپ منبر پر چڑھے، دریافت فرمایا: میں کون ہوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا، قبائل کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں رکھا، ان کو مختلف گھروں میں بانٹا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں رکھا، تو میں گھرانے کے اعتبار سے بھی اور اپنی ذات کے اعتبار سے بھی تم سب میں بہتر ہوں۔ **انا خیرکم بیتا و خیرکم نفسا۔** (مسند احمد عن عباد، حدیث نمبر: ۱۷۸۸)

اس لئے بنوہاشم کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے، اور انہیں بعض خصوصیات نبوی میں شامل کیا گیا ہے، جیسے انبیاء کے لئے صدقہ حرام ہے اور بنوہاشم کے لئے بھی آپ نے صدقہ کو منع فرمادیا، پھر بنوہاشم میں آپ کی اولاد و اطہار اور ازواج مطہرات کا خاص درجہ ہے، ازواج مطہرات کی آپ سے قربت اور آپ کے مشن کو کامیاب کرنے کے لئے ان کی قربانیاں نیز آپ کے علوم کی نشر واشاعت میں ان کا حصہ محتاج بیان نہیں ہے، وہ پوری امت کی مائیں ہیں، خود ارشاد خداوندی ہے کہ نبی اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، اور نبی کی تمام ازواج مطہرات پوری امت کی واجب الاحترام مائیں ہیں: **اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔** (احزاب:۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو درود شریف منقول ہیں، ان میں عام طور پر تو آل اطہار کو شریک فرمایا گیا ہے، جیسے درود ابراہیمی **"اللھم صل علی محمد و علیٰ آلہ"** لیکن بعض درودوں میں آپ کی اولاد واطہار کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کو بھی شامل کیا گیا ہے، جیسے **"اللھم صلی علیٰ محمد و أزواجه و ذریته۔"** (بخاری عن ابی حمید ساعدی، حدیث نمبر: ۳۳۶۹)

آپ کے اہل بیت میں براہ راست جو حضرات شامل تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم تھے۔ (مسلم حدیث نمبر: ۲۴۲۴) نیز حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اہل بیت سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: **إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً۔** (احزاب:۳۳)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا ان کو ایک کپڑا اوڑھایا اور اپنے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رکھا، اور ان کو بھی کپڑا اوڑھایا اور دعاء فرمائی، اے اللہ! یہی میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی کو دور فرمادیجئے اور انہیں پاک کردیجئے، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں بھی ان کے ساتھ آجاؤں اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو اور تم بھی خیر پر ہو۔ (ترمذی عن عمر بن ابی سلمہ، حدیث نمبر: ۳۷۸۷) یہی روایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، اور اس میں بھی ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہی ہیں میرے اہل بیت: **اللھم مولاء اھلی** (ترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۲۴) اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ امہات المؤمنین کا درجہ بھی بہت اونچا ہے، لیکن آپ کے اصل اہل بیت یہ حضرات ہیں۔

شاید اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحب زادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے صاحبزادی رسول ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ان کی نسبت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کی طرف کرتے ہیں، وہ یقیناً غلطی پر ہیں، خود قرآن مجید میں آپ کی صاحب زادیوں کا ذکر جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے، **قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ** (احزاب: ۵۹) مسلم شریف میں حضرت زینب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے صراحتاً آپ کے بنت رسول ہونے کا ذکر موجود ہے: **ماتت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** (مسلم، حدیث نمبر: ۹۳۹) حضرت رقیہؓ کے بارے میں بھی حضرت عثمان غنیؓ کے غزوۂ بدر میں عدم شرکت کا سبب بیان کرتے ہوئے اس کا ذکر ہے (بخاری، حدیث نمبر: ۳۱۳۰) خود شیعہ عالم علامہ مجلسی نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (حیات القلوب، باب: ۲۱/ ۵۵۸)

ان اہل بیت اطہار کے لئے فرداً فرداً الگ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلت بیان فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کی محبت ایمان اور نفاق کا معیار ہے، جو مؤمن ہوگا، وہ ان سے محبت کرے گا، اور جو اُن سے بغض رکھے گا، وہ منافق ہوگا: **ان لا یحبنی الا مؤمن و لا یبغضنی الا منافق** (مسلم عن علی: ۷۸) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے مجمع میں فرمایا: جو میرا دوست ہے، وہ علی کا دوست ہے، اے اللہ! جو علی سے محبت اور دوستی رکھے، آپ بھی اس سے محبت فرمائیے، اور جو علی سے عداوت رکھے، آپ بھی ان کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرمائیے: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم و آل من والاہ و عاد من عاداہ** (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۳۰۲)

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقام بلند کا حال یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ مومن خواتین، یا فرمایا، اس امت کی تمام خواتین میں تم سردار بنائی گئی ہو، **الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء المؤمنین أو سیدۃ نساء ھذہ الأمۃ**۔ (بخاری: ۶۲۸۵) ایک موقع پر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تم کو خوشخبری نہیں دوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ چار عورتیں خواتین جنت کی سردار ہیں، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (مستدرک عن عائشہ: ۴۸۵۳)

○○○

سرفراز احمد ملی القاسمی

ملک کے موجودہ حالات اور برسوں قبل ہندو مسلم تعلقات کی جھلک

آج ہمارا پیارا ملک ''بھارت'' تاریخ سے جس نازک وقت سے گذر رہا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، ہر طرف ایک شور ہے ''آزادی، آزادی، آزادی، کیا بچے کیا نوجوان، کیا خواتین، کیا بوڑھے، کیا ہندو کیا مسلمان، کیا سکھ کیا عیسائی، بس جدھر دیکھئے ایک جنون ہے ایک جذبہ ہے، ایک جوش ہے، ایک عجیب وغریب وماحول ہے ہر طرف بے چینی افراتفری، راستے سے گذریئے تو ایک ہی آواز، کہیں بیٹھئے تو بھی وہی آواز، بس میں، ٹرین میں، ہوٹلوں اور چوک چوراہوں پر صرف ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ وہی آواز ہے آج سے 70 سال قبل ملک کے چپے چپے میں گونج رہی تھی، 1947 میں جو لوگ موجود تھے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اسی طرح کی بے چینی اسوقت میں لوگوں میں موجود تھی، جیسی آج ہے اور ہر زبان پر یہی نعرہ تھا، ہندوستان کی آزادی کے وقت بھی یہی فضا تھی جو آج ہے، جس نے بالآخر انقلاب لاکر ہی دم لیا، آج پھر یہی جذبہ سماج کے ہر طبقے میں پایا جاتا ہے، ملک کو آزاد کرانے کا جذبہ آزادی کے وقت بھی لوگوں کے دلوں میں مچل رہا تھا اور آج بھی مچل رہا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اس انقلابی تحریک میں صرف مسلمان شامل ہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ حیرت انگیز طور پر دیگر مذاہب کے برادارن وطن بھی شانہ بشانہ چل رہے ہیں، پرانے لوگوں کا کہنا ہے کہ آزادی کے بعد یہ پہلا موقع ہے جس مسلمانوں کے ساتھ برادرانِ وطن انتہائی جوش وخروش کے ساتھ کھڑے اور اتحاد کا پیغام دے رہے ہیں، اس ملک کی گنگا جمنی تہذیب برسوں پرانی ہے، اور یہی واحد شناخت ہے جس سے پوری دنیا میں ''بھارت'' جانا اور پہچانا جاتا ہے، بھارت کی ایک صدی پرانی تاریخ ہے کہ یہاں مسلمانوں کے ساتھ برادان وطن نے اچھا سلوک کیا، اور ہندو مسلم تعلقات کی ایک نئی تاریخ لکھی، تاریخ میں یہ نقش ہے کہ جس وقت مسلمان ہندوستان کا حصہ نہیں تھے اس وقت بھی ہندوستان کے متعلق، مسلمانوں کا سینہ انتہائی صاف اور کھلا ہوا تھا، عہد رسالت میں بھی ہندوستان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، معروف قلم کار علامہ مناظر احسن گیلانی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''آپ کو اس کتاب میں مشاہدات و معلومات کا ایک ایسا ذخیرہ ملے گا جن سے سمجھا جاسکتا ہے کہ آج ہی نہیں ہمیشہ سے مسلمانوں نے سرزمین ہند اور اس کے باشندوں کو کتنی قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا، اس ملک کی عام مروجہ بت پرستی جو شاید سب سے زیادہ مسلمان کیلئے باعث گرانی ہوسکتی تھی، مگر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابی رسولؐ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک مؤرخ کی وہ توجیہ خاص طور پر قابل توجہ ہے جس کا ذکر ہندوستان کی بت پرستی کے متعلق انھوں نے کیا ہے، واقعہ تو یہ ہے کہ اپنی آسمانی کتاب، قرآن کے متعلق شروع سے مسلمانوں کے اہل علم طبقے میں اس دعوے کو حسن قبول حاصل رہا ہے کہ منجملہ دوسری زبانوں کے قرآن میں ہندی زبان کے بعض الفاظ بھی پائے جاتے ہیں، اتقان وغیرہ کتابوں میں ان ہندی الفاظ کی آپ کو فہرست بھی مل سکتی ہے'' آگے کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ ''کیا ایسی زبان جسے وہ ناپاک یا ملیچھیوں کی

زبان سمجھتے ہوں اس کے الفاظ کی گنجائش اپنے مقدس قرآن میں ان کا دل پیدا کرسکتا تھا؟ بخاری جیسی کتاب جس کا درجہ تقدس واحترام میں قرآن کے بعد ہی مسلمانوں میں مانا جاتا ہے، اس میں آپ کو ایسی روایتیں مل سکتی ہیں کہ ہندوستان کی نسبت کی تصریح کے ساتھ یعنی ہندوستان کی فلاں دوا کو چاہئے کہ لوگ استعمال کریں، یہ حکم ان کے پیغمبرؐ نے اپنی امت کو دی ہے اور آثار واخبار کی عام کتابوں میں جو ذخیرہ اس باب میں پایا جاتا ہے ان کے لئے ایک مستقل مضمون ہی میں گنجائش نکل سکتی ہے، اس زیادہ آخر آپ کیا چاہتے ہیں کہ کعبہ کی دیوار کا جو پتھر "حجر اسود" کے نام سے موسوم ہے اس کے متعلق مسلمانوں کی کتابوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عرب میں یہ پتھر ہندوستان سے آیا تھا" حاشیہ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ نتیجہ اس بنیاد پر نکالا گیا ہے کہ جنت سے حضرت آدم علیہ السلام، ہندوستان میں سب سے پہلے اس پتھر کو اپنے ساتھ لائے اور وہاں سے عرب پہنچا" (دیکھئے ہزار سال پہلے ص 21/20) کچھ آگے ہندوستان کے بادشاہ اور ملک کے حکمرانوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلم مؤرخین نے کبھی ہندوستان اور اس کے بادشاہوں کا تذکرہ میں بخالت سے کام نہیں لیا اور انتہائی دیانت داری سے ہندوستان سے متعلق باتوں کو خصوصی اہمیت دی اور اس کو اپنی کتاب کا حصہ بنایا، جمال الدین القفطی اور ان کی کتاب تاریخ الحکماء کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ "اس کتاب میں ایک لطیفہ کا جو ذکر صاحب کتاب نے کیا ہے کہ دنیا کے پانچ بادشاہوں یعنی چین، ہند، ترک، ایران اور روم ان کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ ساری دنیا کے حقیقی حکمراں بس یہی پانچوں ہیں، باقی ان کے سوا جو بھی ہے وہ انہیں میں سے کسی ایک کے تابع اور طفیلی ہیں، پھر ان عالمی سلاطین کی خصوصیتوں کو بتاتے ہوئے جمال الدین نے نقل کیا ہے کہ ہندوستان کے بادشاہ کی خصوصیت یہ سمجھتے تھے کہ وہ حکمت ودانش کا بادشاہ ہے کیونکہ علوم وفنون کی طرف غیر معمولی اور حد سے گذری ہوئی توجہ ہند کے بادشاہوں کو ہے، واللہ اعلم بالصواب، تاریخ کے کس دور کا یہ قصہ ہے یہ مجھے نہیں معلوم لیکن مجھے یہاں یہ بتانا ہے کہ ہندوستان کے متعلق مسلمانوں کا سینہ کتنا کھلا ہوا تھا، اس کی یہ کتنی کھلی دلیل ہے، کرۂ زمین کے پانچ بادشاہوں میں ایک بادشاہ ہندوستان کا تھا بھی تھا، صرف یہی نہیں بلکہ انسانیت کا سب سے بڑا امتیاز یعنی "علم" اس کی قیادت بھی اسی ملک کے حکمرانوں کو حاصل تھی، بتایا جائے کہ اعتراف فضل وکمال کی اس سے بہتر شہادت اور کیا ہوسکتی ہے، قفطی نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ دنیا کی تمام پرانی قوموں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حکمت ودانش اور مختلف علوم وفنون میں ہندوستان کے لوگ آگے بڑھے ہوئے تھے" (دیکھئے ص 22) یہ تو اس وقت کی بات ہے جب مسلمان ہندوستان نہیں آئے تھے، لیکن جب مسلمانوں نے اسی بھارت کو اپنا ملک اور وطن بنایا تو اس کے بعد یہاں کے باشندوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا، مولانا گیلانیؒ کے بقول مسلمانوں کے ہندوستان پہنچنے اور اس کو وطن بنالینے کے بعد، جہاں تک میں جانتا ہوں ہندوؤں کے دین ومذہب کے متعلق مسلمانوں کی کوئی تنقیدی یا مناظراتی کتاب نہیں پائی جاتی، یہ قصہ اس وقت شروع ہوا جب ہندوستان کی حکومت ایک ایسی قوم کے قبضے میں چلی گئی جس کی حکمرانی کی بنیاد ہی (بانٹو اور حکومت کرو) پر قائم تھی، ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ "مہاراجہ پٹیالہ کے پاس جب مسٹر جارج فریڈرک، کمشنر انبالہ بطور مہمان تشریف لائے اور بہادر گڑھ کے قلعے میں مہاراجہ نیانکوا تارا (استقبال کیا) تو عین محل کے پاس ایک "مسجد" کو دیکھ کر کمشنر بہادر نے فرمایا کہ "اورنگ زیب تو مسجدوں کو ڈھواتا تھا آپ نے اپنے محل کے پاس اس مسجد کو کیسے قائم رہنے دیا"؟ مہاراجہ نے جواب میں کہا کہ جس ڈھنگ سے اس وقت آپ نے اورنگ زیب کا ذکر کیا میں

نہیں چاہتا کہ میرے بعد میرا ذکر بھی لوگ اسی طرح کریں،" (ہزار سال پہلے)

کیا یہ جواب موجودہ دریدہ دہن اور جھوٹے مکار حکومت کے منہ پر زوردار طمانچہ نہیں ہے، یہ ان لوگوں کے لئے بھی مشعل راہ ہے جس نے ستر سال تک سیکولرزم کا چوغا پہن کر فرقہ پرستی کو فروغ دیتے رہے اور آستین کے سانپ کو دودھ پلاتے رہے، آج جو ملک کے اقتدار پر فرقہ پرستوں اور دشمن انسانیت کا قبضہ ہے، جو آج ملک کی سیاہ و سفید کے مالک ہیں، ایسے لوگوں کیلئے یہ واقعہ کسی زوردار طمانچے سے کم نہیں، اب آیئے ایک نظر اس پر بھی ڈالتے ہیں کہ برسوں قبل، اہل ہند کی مسلمانوں سے کس طرح کی عقیدت ومحبت تھی؟ اور برادران وطن مسلمانوں کے بارے میں کیا خیال رکھتے تھے؟ مولانا گیلانی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں، مسلمانوں کے ساتھ اس ملک کے غیر مسلم باشندوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جن چیزوں میں خصوصیت کے ساتھ ہندوستان والوں کا دعویٰ تھا مثلاً سانپ کے زہر کا ازالہ، جھاڑ پھونک، جنتر منتر وغیرہ بزرگ ابن شہریار نے اپنی کتاب عجائب الہند میں کولم پلی (جنوبی ہند کا ایک ساحلی شہر) کے تذکرے میں ناگ سانپ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کولم پلی میں ایک مسلمان ہے جسے ہندوستانی زبان میں بنجی (یعنی بانگی) کہتے ہیں یہ ان کی نماز سے تعلق رکھتا ہے (یعنی مؤذن ہے) وہی ناگ سانپ کے زہر کا ازالہ اپنے جھاڑ پھونک سے کرتا ہے، پھر یہ لکھ کر کہ زہر جب مارگزیدہ کے جسم میں اچھی طرح سرایت کر جاتا ہے تو اس وقت گواس بنجی یعنی مؤذن کی جھاڑ سے نفع نہیں ہوتا لیکن عام حالات میں مریض عموماً شفایاب ہو جاتا ہے، آخر میں لکھا ہے کہ گو اس ملک میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اس خاص سانپ (الناغران) یعنی ناگ اور اس کے سوا دوسرے سانپوں کے زہر کا ازالہ جھاڑ پھونک سے کرتے ہیں، لیکن اس مسلمان مؤذن کا جھاڑ بہت کم خطا کرتا ہے، واللہ اعلم اس واقعہ کی صحیح نوعیت کیا تھی، لیکن اس قصہ سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ مسجد کے مؤذنوں تک کے متعلق اس ملک کے باشندوں کا یہ اعتقاد تھا کہ اس کا عمل ان کے جھاڑنے والوں کے عمل سے زیادہ مؤثر اور مفید ہے۔" (ص35)

آگے مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان سلیمان تاجر کا ہے، مسلمانوں نے اپنے دین اور اپنے اخلاق کا کتنا وزن اہل ہند کے قلوب پر ڈال دیا تھا، سلیمان راجہ بلہرا کا تذکرہ ان الفاظ میں کرنے کے بعد لکھا ہے کہ راجہ بلہرا اس ملک کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تمام راجگان ہند اس کے فضل وشرف کو مانتے ہیں، اگرچہ ہندوستان کا ہر راجہ اپنے اپنے علاقے کا مستقل حکمراں ہے، لیکن بلہرا کی سیادت سبھی تسلیم کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بلہرا کے سفیر جب کسی راجہ کے پاس پہنچتے ہیں وہ راجہ سفیر کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہیں، یہ عظمت کے اظہار کا طریقہ ہے، بلہرا خاندان کے راجگان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بسا اوقات پچاس پچاس سال تک ایک ایک راجہ کو حکومت کرنے کا موقع اس گدی پر مل جاتا ہے، لیکن یہ موقع اور یہ برکت کس ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اس کا تذکرہ، سلیمان راوی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ بلہرا کی حکومت والوں کا خیال ہے کہ ان کی حکومت کی مدت اور ان کی عمر کی درازی کا سبب یہ ہے کہ عرب سے یعنی مسلمانوں سے وہ محبت کرتے ہیں، سنا آپ نے اس ملک والوں کا عقیدہ؟ چونکہ عرب یعنی مسلمانوں کے ساتھ بلہرا خاندان کے راجگان محبت کرتے ہیں اسلئے اللہ ان کی عمروں کو بڑھا دیتا ہے، یہ تھا محبوبیت کا وہ مقام جو مسلمان اپنے اخلاق کی بدولت ان ممالک میں حاصل کر لیتے تھے، جہاں وہ بے چارے صرف مسافروں اور تاجروں کی حیثیت سے پہونچتے تھے کہ نہ صرف وہی بلکہ ان کی قوم تک دوسروں کی محبوب بن جاتی تھی، اور کسی محبوب کہ خدا کی ساری مہربانیوں کو اسی محبت کا نتیجہ قرار دیتی تھی۔" (ہزار سال پہلے ص36)

اسی سلسلے میں بزرگ بن شہریار اپنی کتاب عجائب الہند میں ایک جگہ لکھا ہے کہ بعض ایسی رعایتیں ان ممالک میں مسلمانوں کو حاصل تھیں، جن سے خود اس ملک کے باشندے محروم تھے، چنانچہ عجائب الہند میں ہے کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی بھی ایک خاص شکل کے ساتھ ہی بیٹھ سکتا ہے، اس نشست کا نام ان کی اصطلاح میں برسیلا ہے، چارزانو ہوکر لوگوں کو ان بادشاہوں کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے، حتی کہ خود ان کے ملک کے لوگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، خواہ وہ کسی درجہ کا آدمی ہو، نشست کے اس خاص طریقے کو چھوڑ کر راجہ کے سامنے بیٹھنے کی اگر کوئی ہمت کرے تو سخت سزا کا مستوجب ٹھہرتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ ان غیر مسلم راجگان کے سامنے مسلمان جس طرح چاہیں بیٹھ سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے سوا دوسرے مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق بیٹھنے پر مجبور ہیں، جس کا نام برسیلا ہے، نشست کے اس خاص طریقے کے خلاف راجہ کے سامنے اگر کوئی بیٹھنے کی جرات کرے تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔''

(دیکھئے عجائب الہند ص 196)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جس زمانہ کا واقعہ یہاں وہ چوتھی صدی ہجری کا ہے، 404 ہجری میں بزرگ بن شہریار، جو معروف سیاح ہے اپنی عجائب الہند لکھی اسی زمانے کا یہ ہمارا ہندوستان ہے جو آج تاریخ کے انتہائی عجیب وغریب اور نازک دور سے گذر رہا ہے، اسی کتاب میں اور بھی بہت سارے اس طرح کے واقعات ہیں، ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ بلہرا کی حکومت میں مسلمانوں کا ایک مسلمان افسر ہوتا تھا، اس کا لقب ''ہنرمن'' تھا اس ہنرمن کے متعلق ہے کہ اسلامی علاقوں میں جو حیثیت قاضی کی ہوتی ہے وہی حیثیت ہنرمن کو (بلہرا) کے علاقے میں حاصل ہے، لیکن ہنرمن مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے طبقے سے نہیں ہوسکتا، آگے لکھتا ہے کہ ہندوستانی قوانین کی رو سے کسی جرم کی خواہ کچھ بھی سزا مقرر ہو لیکن مسلمان جب اس جرم کے مرتکب ہوتے تھے تو انھیں ہنرمن کے سپرد کردیا جاتا تھا تاکہ وہ اسلامی قوانین کی رو سے ان پر حکم لگائے۔'' (عجائب الہند)

دیکھا آپ نے قدیم ہندوستان کی تاریخ اور مسلمانوں کے تئیں ان غیر مسلم بادشاہوں کی فراخدلی اور عدل وانصاف، شاید یہی وجہ ہے کہ اتنے طویل عرصے کے بعد بھی اس کی شناخت برقرار ہے جس کی ختم کرنے کی جدوجہد موجودہ حکومت کررہی ہے، لیکن یہ مٹھی بھر لوگ ہرگز اس میں کامیاب نہیں ہوسکتے، ہمارا ملک ایک انقلابی دور سے گذر رہا ہے اور انشاء اللہ اس ملک میں انقلاب آکر رہے گا، کیونکہ اس جدوجہد اور فیصلہ کن لڑائی میں برادران وطن شریک ہیں، حیرت انگیز طور پر یہ آواز بعض گوشوں سے اٹھ رہی ہے کہ ''ہم اس ملک سے مسلمانوں کو ہرگز جانے نہیں دیں گے'' اور کہیں یہ بھی کہ ''اگر مسلمانوں کے ساتھ اس بھارت میں بھی کسی طرح کا بھید بھاؤ کیا گیا تو میں مسلمان ہوجاؤں گا'' وغیرہ وغیرہ یہ علامت ہے اس بات کی کہ برسوں پرانی یادیں اور قدیم تہذیبیں ابھی اس ملک میں زندہ ہے اس لئے اتنا آسان نہیں ہے اس ملک کو ایک بار پھر غلام بنالینا، مسلمانوں نے تو یہ طے کرلیا ہے ہمیں ہندوستان میں اپنے ہر قسم کی آزادی کے ساتھ اس ملک میں رہنا ہے، یہی ہمارا آخری ٹھکانا ہے، شاید یہ موجودہ تحریک دنیا کی انوکھی اور مثالی تحریک ہے جس میں 6 ماہ کے دودھ پیتے بچے سے لیکر 90 سال کے بوڑھے تک بغیر کسی امتیاز کے شریک ہیں، پڑھے لکھے اور جاہل تمام لوگوں کا بس ایک ہی نعرہ ہے آزادی، آزادی، آزادی ضرورت ہے کہ اس کو منظم اور اس کی رفتار کو تیز کیا جائے پھر دیکھئے انقلاب کی صبح کیسے ہوتی ہے؟

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

ملک کی سلامتی کیلئے دعاؤں کا بھی اہتمام ضروری

ہندوستان کی موجودہ صورت حال میں جہاں ایک طرف سیکولر ذہن رکھنے والی طاقتیں خاص کر طلبہ وطالبات ملک کے دستور کی حفاظت کے لئے سڑکوں پر احتجاج کررہے ہیں، وہیں بھارتیہ جنتا پارٹی کی مرکزی حکومت اور بعض ریاستی حکومتیں حکومت کی پالیسیوں کے خلاف پورے ملک میں چل رہی تحریک کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہی ہیں۔NPRCAA اور NRC کی مخالفت میں جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) سے اٹھنے والی اس تحریک میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہر مذہب کو ماننے والے شریک ہیں۔ اب یہ آواز صرف ہندوستان سے ہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں سے اٹھ رہی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ NPR،CAA اور NRC کی مخالفت کرنا وقت کی عین ضرورت کے ساتھ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری بھی ہے ورنہ مستقبل میں جہاں قوم وملت کی پریشانیاں اور دشواریاں بہت زیادہ بڑھ جائیں گی وہیں ملک کی سلامتی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ کچھ سیاسی پارٹیاں اور ریاستی حکومتیں ان قوانین کے خلاف کھل کر میدان میں آگئی ہیں حتی کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے بعض ممبران نے بھی ان کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کردیا ہے۔

ان نئے قوانین سے تمام ہی مذاہب کے ماننے والے اور ہر ریاست کے رہنے والے متاثر ہوں گے لیکن سب سے زیادہ دشواریوں کا سامنا مسلمانوں کو ہی کرنا پڑے گا کیونکہ موجودہ مرکزی حکومت ہندو مسلم کے درمیان نفرت پیدا کرکے جہاں اپنی حکومت کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنا چاہتی ہے وہیں وہ ملک کو ہندو مسلم میں تقسیم کرکے ہندو ووٹ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہمیں حکمت وبصیرت سے حکومت کی اس غلط پالیسی کا مقابلہ کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق بھی مضبوط کرنا ہے کیونکہ ہمارا یہ ایمان وعقیدہ ہے کہ اس پوری کائنات کو پیدا کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور وہی اس پوری دنیا کے نظام کو تن تنہا چلا رہا ہے اور وہی مشکل کشا، حاجت روا اور دشواریوں وپریشانیوں کو آسانیوں میں تبدیل کرنے والا ہے۔ اس لئے ہم توبہ واستغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا خاص اہتمام رکھیں۔ اسلام کی پہلی جنگ عظیم (غزوۂ بدر) کے موقع پر بھی ساری انسانیت کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے راتوں کو گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی تھیں۔ یعنی ہم دوا کے ساتھ دعاؤں کا بھی اہتمام کریں کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ دعاؤں سے بھی بڑے بڑے مسائل حل ہوتے ہیں۔ آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں دعا کی اہمیت کو سمجھیں۔

دعا کی حقیقت: دُعا کے لغوی معنی ہیں پکارنا اور بلانا، شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے حضور التجا اور درخواست کرنے کو دعا کہتے ہیں۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ مشکلات اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اور دل سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (سورۃ الزمر: ۸)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دُعا عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے۔ (ترمذی) نیز حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دُعا عین عبادت ہے۔ (ترمذی) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام وصالحین کی دعاؤں کا ذکر اپنے پاک کلام (قرآن کریم) میں متعدد مرتبہ فرمایا ہے۔

دُعا کی اہمیت: دعا کی اہمیت کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں اپنے بندوں کو نہ صرف دُعا مانگنے کی تعلیم دی ہے بلکہ دعا مانگنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے: (اے پیغمبر) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (فرمادیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں، جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۶) غرضیکہ دعا قبول کرنے والا خود ضمانت دے رہا ہے کہ دعا قبول کی جاتی ہے، اس سے بڑھ کر دعا کی اہمیت کیا ہوسکتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: تمہارے پروردگار نے کہا کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (سورۃ المؤمن: ۶۰) حضور اکرم ﷺ نے بھی نہ صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے، بلکہ اس کے فضائل اور آداب بھی بیان فرمائے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے یہاں دعا سے زیادہ کوئی عمل عزیز نہیں ہے۔ (ابن ماجہ) یعنی انسانوں کے اعمال میں دُعا ہی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندہ اس سے عافیت کی دُعا کرے۔ (ترمذی)

دعا کے چند اہم آداب وارکان وشرائط اور واجبات

دعا چونکہ ایک اہم عبادت ہے، اس لئے اس کے آداب بھی قابل لحاظ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے دُعا کے بارے میں کچھ ہدایات دی ہیں، دعا کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ ان کا خیال رکھے۔ احادیث میں دعا کے لئے مندرجہ ذیل آداب کی تعلیم فرمائی گئی ہے، جن کو ملحوظ رکھ کر دُعا کرنا بلاشبہ قبولیت کی علامت ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی وقت بعض آداب کو جمع نہ کرسکے تو ایسا نہ کرے کہ دُعا ہی کو چھوڑ دے، دعا ان شاء اللہ ہر حال میں مفید ہے۔ ۱) اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ دُعا کرنا، یعنی یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہماری ضرورتوں کو پوری کرنے والا ہے، ارشاد باری ہے: تم لوگ اللہ کو خالص اعتقاد کرکے پکارو۔ (سورۃ المؤمن: ۱۴) ۲) دعا کے قبول ہونے کی پوری اُمید رکھنا اور یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ بلاشبہ قبول کرے گا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے اس طرح دُعا کرو کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو۔ (ترمذی) ۳) دعا کے وقت دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف حاضر اور متوجہ رکھنا کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندہ کی دُعا قبول نہیں کرتا جو صرف اوپری دل سے اور توجہ کے بغیر دُعا کرتا ہے۔ (ترمذی) غرضیکہ دُعا کے وقت جس قدر ممکن ہو حضور قلب کی کوشش کرے اور خشوع وخضوع اور سکون قلب ورقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ ۴) دعا کرنے والے کی غذا اور لباس حلال کمائی سے ہونا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دور دراز کا سفر کرے اور نہایت پریشانی وپراگندگی کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر یارب یارب کہتے ہوئے دُعا کرے جب کہ اس کی غذا اور لباس سب حرام سے ہو اور حرام کمائی ہی استعمال کرتا ہو تو اس کی دُعا کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ (صحیح مسلم) ۵) دُعا کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی دُعا مانگے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی بزرگی وثنا سے دُعا کا آغاز کرے پھر مجھ پر درود بھیجے، پھر جو چاہے مانگے۔ (ترمذی) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دعا آسمان وزمین کے

درمیان معلق رہتی ہے یعنی درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر درود نہ بھیجے۔ (ترمذی) ۶) دعا کے وقت گناہ کا اقرار کرنا، یعنی پہلے گناہ سے باہر نکلنا، اس پر ندامت کرنا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔ ۷) دعا آہستہ اور پست آواز سے کرنا یعنی دعا میں آواز بلند نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم لوگ اپنے پروردگار سے دُعا کیا کرو گڑگڑا کر اور آہستہ۔ (سورۃ الاعراف: ۵۵) البتہ اجتماعی دعا تھوڑی آواز کے ساتھ کریں۔

دعا کے چند اہم مستحبات:

وہ امور جن کا دعا کے وقت اہتمام کرنا اولیٰ و بہتر ہے: ۱) دعا سے پہلے کوئی نیک کام مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کا اہتمام کرنا۔ ۲) قبلہ کی طرف رُخ کر کے دوزانو ہو کر بیٹھنا اور دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں تک اس طرح اُٹھانا کہ ہاتھ ملے رہیں اور انگلیاں بھی ملی ہوں اور قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ ۳) اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ ذکر کر کے دعا کرنا۔ ۴) اس بات کی کوشش کرنا کہ دُعا دل سے نکلے۔ ۵) دعا میں اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑگڑانا، یعنی رو رو کر دعائیں مانگنا یا کم از کم رونے کی صورت بنانا۔ ۶) دعا کو تین تین مرتبہ مانگنا۔ ۷) دُعا کے وہ الفاظ اختیار کرنا جو قرآن کریم میں آئے ہیں یا جو حضور اکرم ﷺ سے منقول ہیں کیونکہ جو دُعائیں قرآن کریم میں آئی ہیں ان کے الفاظ خود قبولیت کی دلیل ہیں اور احادیث میں بھی ان کی فضیلت مذکور ہے اور جو دُعائیں حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہیں وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو پیاری ہونگی۔ ۸) تمام چھوٹی اور بڑی حاجتیں سب اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا۔ ۹) نماز کے بعد اور بالخصوص فرض نماز کے بعد دُعا مانگنا۔ ۱۰) دعا کرانے والا اور ساتھ میں دعا کرنے والے کا دعا کے بعد آمین کہنا، اور اخیر میں دونوں ہاتھ اپنے چہرہ پر پھیر لینا۔

قبولیت دعا کے بعض اوقات وحالات:

یوں تو دعا ہر وقت قبول ہوسکتی ہے، مگر کچھ اوقات وحالات ایسے ہیں جن میں دعا کے قبول ہونے کی توقع زیادہ ہے، اس لئے ان اوقات وحالات کو ضائع نہیں کرنا چاہئے: شب قدر یعنی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کی راتیں۔ ماہ رمضان المبارک کے تمام دن ورات، اور عید الفطر کی رات۔ جمعہ کی رات اور دن۔ آدھی رات کے بعد سے صبح صادق تک۔ ساعت جمعہ۔ احادیث میں ہے کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے جس میں جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ مگر اس گھڑی کی تعیین میں روایات اور علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ روایات اور اقوال صحابہؓ وتابعین سے دو وقتوں کی ترجیح ثابت ہے، اوّل امام کے خطبہ کے لئے ممبر پر جانے سے لے کر نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک، خاص کر دونوں خطبوں کے درمیان کا وقت۔ خطبہ کے درمیان زبان سے دعا نہ کریں، البتہ دل میں دعا مانگیں، اسی طرح خطیب خطبہ میں جو دعائیں کرتا ہے ان پر بھی دل ہی دل میں آمین کہہ لیں۔ قبولیت دعا کا دوسرا وقت جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے۔ اذان واقامت کے درمیان۔ فرض نماز کے بعد۔ سجدہ کی حالت میں۔ تلاوت قرآن کے بعد۔ آب زم زم پینے کے بعد۔ جہاد میں عین لڑائی کے وقت۔ مسلمانوں کے اجتماع کے وقت۔ بارش کے وقت۔ بیت اللہ پر پہلی نگاہ پڑتے وقت۔

دُعا قبول ہونے کی علامت: دعا قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ دعا مانگتے وقت اپنے گناہوں کو یاد کرنا، اللہ کا خوف طاری ہونا، بے اختیار رونا آجانا، بدن کے روئیں کھڑے ہوجانا، اس کے بعد اطمینان قلب اور ایک قسم کی فرحت محسوس ہونا، بدن ہلکا معلوم ہونے لگنا، گویا کندھوں پر سے کسی نے بوجھ اُتار لیا ہو۔ جب ایسی حالت پیدا ہو تو اللہ کی طرف خشوع قلب کے ساتھ متوجہ ہو کر اس کی خوب حمد وثنا اور درود کے بعد اپنے لئے، اپنے والدین، رشتہ داروں، اساتذہ اور مسلمانوں کے لئے گڑگڑا کر دُعا کریں۔ ان شاء اللہ اس کیفیت کے ساتھ کی جانے والی دعا ضرور

قبول ہوگی۔ دعا کی قبولیت میں جلدی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ دعا کی قبولیت کا وقت معین ہے اور نا اُمید بھی نہیں ہونا چاہئے اور یوں نہیں کہنا چاہئے کہ میں نے دعا کی تھی مگر قبول نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناامید ہونا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ دعا کی قبولیت میں اللہ تعالیٰ کبھی کبھی مطلوب سے بہتر کوئی دوسری شیء انسان کو عطا فرماتا ہے، یا کوئی آنے والی مصیبت دور کر دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دعا مظہر عبدیت اور ایک اہم عبادت ہے۔ دعا مضطرب قلوب کے لئے سامان سکون، گمراہوں کے لئے ذریعۂ ہدایت، متقیوں کے لئے قرب الٰہی کا وسیلہ اور گناہگاروں کے لئے اللہ کی بخشش ومغفرت کی باد بہار ہے۔ اس لئے ہمیں دُعا میں ہرگز کاہلی وسستی نہیں کرنی چاہئے، یہ بڑی محرومی کی بات ہے کہ ہم مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے بہت سی تدبیریں اختیار کرتے ہیں مگر وہ نہیں کرتے جو ہر تدبیر سے آسان اور ہر تدبیر سے بڑھ کر مفید ہے (یعنی دعا)، اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنے خالق ومالک کے سامنے وقتاً فوقتاً خوب دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں اپنے سے مانگنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زرسالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زرسالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زرسالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کارخیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

میاں بیوی کے تلخ تعلقات اور سرپرستوں کا رول

نکاح عفت و پاکیزگی کا جلی عنوان ہے، آفات نظر سے حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، ایمان کی تکمیل کا سبب ہے، نکاح وہ پاکیزہ رشتہ ہے جو مرد وعورت کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے، اوران کے مابین الفت ومحبت کوفروغ دیتا ہے، عقد نکاح سے صرف مرد وعورت کا ہی اجتماع نہیں ہوتا، بلکہ دو خاندانوں کا باہم اجتماع ہوتا ہے، میاں بیوی کے مابین ہی تعلق وانسیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ دو خاندانوں کے افراد مابین تعلق وانسیت پیدا ہوتی ہے، زوجیت کا پاکیزہ رشتہ قائم ہونے کے بعد زن وشو ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن جاتے ہیں، ایک دوسرے کی خوشی وغمی میں شریک ہوجاتے ہیں، اور اگر ازدواجی زندگی کو اسلامی نہج پر استوار رکھا جائے تو دونوں دوجسم یک جاں بن جاتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کا مزاج یہ ہے کہ جب مرد وعورت نکاح کے رشتہ میں بندھ جائیں تو یہ رشتہ مضبوط اور مستحکم ہو، محبت وہمدردی اور باہمی تعاون کی بنیادوں پر استوار ہو، ایک دو مہینے یا ایک دوسال تک یہ رشتہ محدود نہ ہو، بلکہ دائمی اور لازوال ہو؛ اسی وجہ سے نکاح کے پاکیزہ رشتہ کو برقرار رکھنے اوراس میں محبت ومودت کا رنگ بھرنے کے لئے اسلام نے زوجین کو خاص ہدایات دی ہیں، شوہر اور بیوی ہر ایک کے ذمہ اپنے ساتھی کے حوالہ سے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں، اگران پر عمل آوری کو یقینی بنایا جائے، اورازدواجی زندگی کے سفر میں شریعت کے نقوش جمیل کو مدنظر رکھا جائے تو نکاح کا رشتہ مزید پائیدار اور مستحکم ہوتا ہے، اور میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے مخلص رفیق ثابت ہوتے ہیں، اور اگر شریعت کی ہدایات سے غفلت اور لاپرواہی برتی جائے، ازدواجی حقوق کی ادائیگی میں سستی اور سہل انگاری کا مظاہرہ کیا جائے تو پھر میاں بیوی میں سے ہر ایک کی زندگی تلخ اور بے مزہ ہوجاتی ہے، اور زندگی کے ہر موڑ پر دونوں ایک دوسرے کے لئے بجائے رفیق کے حریف ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف چونکہ دونوں کا ہمیشہ کا ساتھ ہوتا ہے، اختلاط اور ہم نشینی کے مواقع ہمیشہ میسر ہوتے ہیں؛ اس لئے ایک دوسرے کی اخلاقی کمزوریاں بھی ان کے سامنے ظاہر ہوجاتی ہیں، جس کی وجہ سے شکایات کا پیدا ہوجانا ناگزیر ہے، زوجین کے مابین باہمی رنجش اوران بن ہوجانا ایک فطری امر ہے، یہ نہ کوئی معیوب چیز ہے اور نہ شریعت کے منشا کے خلاف ہے، تاہم ایسی صورت میں میاں بیوی کے سرپرستوں کو سنجیدہ اور ذمہ دارانہ کردار نبھانے کی ضرورت ہے، ایسا مضبوط کردار جس میں وقتی غصہ، جذبات کا ابلتا ہوا جوش نہ ہو، عصبیت وجانبداری سے کام نہ لیا گیا ہو بلکہ سرپرستوں اور ذمہ داروں سے ایک ایسا رول مطلوب ہوتا ہے جس میں حقائق کا بے لاگ تجزیہ ہو، شیشہ وآہن کا حسین امتزاج ہو، محبت و ہمدردی کے ساتھ احساس ذمہ داری ہو، شکست اور ہار ماننے کا حوصلہ ہو، جب حضرات سرپرست زوجین کے باہمی چپقلش اور شکر رنجی کو دور کرنے اور ان کے باہمی شکایات کو رفع کرنے میں سنجیدہ ہوں گے، اور غیر جانب دارانہ طور پر ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے تو میاں بیوی کی ازدواجی زندگی خوش گوار فضا میں بسر ہوگی، اور بہت سے ازدواجی رشتے جو معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے طلاق پر منتج ہوتے ہیں ان میں بھی مطلوبہ حد تک کمی آئے گی، نیز طلاق وتفریق اور میاں بیوی نزاع واختلاف کی

وجہ سے جو آج کل پولیس اسٹیشنوں اور کورٹ کچہریوں کے چکر کاٹے جارہے ہیں، اور غیروں کو اسلام اور مسلمانوں پر جگ ہنسائی کا موقع مل رہا ہے ان پر بھی روک لگے گی۔

عہد نبوی جو مسلمانوں کا ایک مثالی اور درخشاں دور تھا، جہاں اسلامی معاشرے کی بنیاد عالی صفات اور بلند اخلاق پر تھی، محبت و ہمدردی، ایثار و سخاوت اور خلوص وا پنائیت جیسے پاکیزہ صفات مدنی معاشرے کا جزو لاینفک تھے، وہاں بغض وعناد، عداوت ودشمنی اور حسد و رقابت کا گزر نہ تھا، جس مدنی معاشرے میں ازدواجی رشتہ ایک اٹوٹ اور مضبوط بندھن ہوتا تھا، جہاں ازدواجی رشتہ محبت ومودت اور بے لوث تعلق وانسیت کا مظہر ہوتا تھا، جہاں مرد وعورت رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد زندگی کے مخلص رفیق ثابت ہوتے تھے، جو پاکیزہ سماج سکون واطمینان کی گراں مایہ دولت سے معمور تھا، ایسے پاکیزہ دور کی طرف لوٹیے، تاریخ کے صفحات پلٹئے، اوران کی روشنی میں سفر کا رخ متعین کیجئے: کیونکہ گزری ہوئی بہار کی یادیں ہی ہمارے خزاں رسیدہ چمن کے پودوں میں ذوق نمو پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور ماضی کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے نقوش ہی ہمیں مستقبل کی راہ دکھا سکتے ہیں۔

آج کے دور میں جب نکاح کی مجلس منعقد ہوتی ہے، تو زوجین کے لئے کچھ اس طرح دعاء کی جاتی ہے: اے اللہ! زوجین کے مابین ایسی محبت والفت پیدا فرما جیسی حضرت علی اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تھی؛ لیکن اس پہلو کو ہم نظر انداز کردیتے ہیں کہ سیدنا حضرت علیؓ اور جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ زہراؓ کے مابین خوش گوار ازدواجی تعلقات کا آخر کیا راز تھا؟ وہ کون سے اسباب وعوامل تھے جن کی وجہ سے حضرت علی وفاطمہؓ کے مابین پاکیزہ محبت اور ایک دوسرے کے تئیں خلوص وا پنائیت کے جذبہ کو فروغ ملا؟ ازدواجی رشتہ کو مثالی اور قابل تقلید رخ دینے کے پیچھے کیا چیز کارفرما تھی؟ آپ غور کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ حضرت علیؓ اور خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی میں متعدد بار نشیب وفراز آئے، ایک دوسرے سے شکایات پیدا ہوگئیں، ناراضگی اور خفگی کے مواقع آئے؛ لیکن اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سرپرست اور مربی ہونے کی حیثیت سے باہمی اختلاف کو سلجھایا، آپسی شکایات کا بحسن وخوبی ازالہ فرمایا، اور نئے سرے سے محبت والفت کے ساتھ زندگی گزارنے کی زوجین کو تاکید کی، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسولؐ حضرت فاطمہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ گھر پر موجود نہیں ہیں، دریافت کیا کہ تمہارے چچازاد بھائی (علیؓ) کہاں ہیں؟ فاطمہؓ نے کہا: میرے اور علیؓ کے مابین کچھ ان بن ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے وہ ناراض ہوکر گھر سے باہر چلے گئے ہیں، اور گھر میں قیلولہ بھی نہیں کیا، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ دیکھو علی کہاں ہیں؟ اس نے آکر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ وہ مسجد نبوی میں سو رہے ہیں، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے، دیکھا کہ حضرت علیؓ آرام کررہے ہیں، اور چادر ان کے پہلو سے گرگئی ہے، اوران کے جسم کو گرد وغبار لگ گیا ہے، سرور کائنات حضرت علیؓ کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے، اوران سے کہنے لگے: اے ابوتراب! اٹھو، اے ابوتراب! اٹھو۔ (بخاری)

مذکورہ بالا حدیث خاندانی تعلقات کو خوشگوار اور مضبوط ومستحکم بنانے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، اور زوجین کے مابین رنجش اور جھگڑا ہوجانے کی صورت میں ایک سرپرست کا کیا رول ہونا چاہئے اس پہلو کو بھی یہ حدیث اجاگر کرتی ہے، اور ایسے رہنمایانہ خطوط متعین کرتی ہے جس پر عمل آوری ازدواجی زندگی کو کامیاب اور بہتر سے بہتر بنانے میں مدد ومعاون ثابت ہوگی۔ ذیل میں حدیث کے سبق آموز نکات اختصار کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں:

زوجین کی خبر گیری: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، غالبا اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہ مقصد ہوگا کہ زوجین کی خبر گیری کی جائے، اوران کے احوال سے واقفیت حاصل کی جائے، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ سرپرست اور حضرات ذمہ داران کا لڑکے یا لڑکی کی شادی کردینا اور اپنے آپ کو ہر قسم کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ سمجھ لینا درست نہیں ہے، جیسا کہ آج اس کا رجحان روز افزوں ہے؛ بلکہ شادی کے بعد بھی لڑکے اور لڑکی کی خبر گیری کرنا اوران کے احوال سے واقفیت حاصل کرتے رہنا بھی سرپرستوں کی ذمہ داری ہے، اس کے لئے داماد اور بیٹی کو وقتاً فوقتاً گھر بلانے کا اہتمام کیا جائے، اور خود بھی وقت نکال کر داماد کے گھر جانے کوشش کی جائے، آمد ورفت رکھنے سے خاندانی تعلقات مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں، اور زوجین کے مابین بھی محبت واعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔

لڑکی کے دل میں شوہر کی عظمت پیدا کی جائے: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، اور حضرت علیؓ کو آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجود نہیں پایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ بصیرت نے یہ محسوس کرلیا کہ ضرور زوجین کے مابین رنجش ہوئی ہے، اور دونوں کے تعلقات معمول پر نہیں ہیں، میاں بیوی دونوں ایک دوسرے سے کبیدہ خاطر ہیں، ایسے وقت آپ نے ضرورت محسوس کی کہ سیدہ فاطمہ کو اپنے رفیق حیات کے حوالہ سے جو خفگی اور ناراضگی ہے اسے دور کیا جائے، اور دونوں کے تعلقات کو ازسرِ نو خوشگوار بنایا جائے، چنانچہ اس مقصد سے آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ سے یہ دریافت نہیں کیا کہ علی کہاں ہیں؟ بلکہ ایک رشتہ کا حوالہ دے کر دریافت کیا کہ تمہارے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ تاکہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دل سے حضرت علیؓ سے ناراضگی کے ناخوشگوار اثرات دور ہوجائیں، اور قرابت و رشتہ داری کی اساس پر حضرت علیؓ سے صلح صفائی کرلیں، اس میں لڑکی کے سرپرستوں کے لئے یہ پیغام ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو جھکنا سکھائیں، لڑکیوں کو یہ تعلیم دیں کہ جب شوہر ناراض ہوجائے تو اسے منانا تمہارا فریضہ ہے، لڑکیوں کو یہ سکھائیں کہ اگر تمہاری غلطی ہو تو بہرصورت تمہیں معافی مانگنا ہے، اور اگر تمہاری غلطی نہ ہو تب بھی اپنی غلطی تسلیم کرلینا اور شوہر سے معافی چاہ لینا اعلیٰ اور بلند اخلاق وکردار کی دلیل ہے، جو ازدواجی رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے، اور باہمی محبت واعتماد کو پروان چڑھاتا ہے۔

شکایات سے گریز کیا جائے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گھر میں حضرت علیؓ کو نہیں پایا، جب کہ یہ دوپہر کا وقت تھا، اور حضرت علیؓ کے گھر میں موجود رہنے اور قیلولہ کرنے کا وقت تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں دریافت کیا، حضرت فاطمہؓ نے کہا: کسی بات پر مجھ سے ناراض ہوکر باہر گئے ہیں، یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے باہمی رنجش کی وجوہات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان نہیں کیا، اور نہ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں تفصیلات معلوم کرنا مناسب سمجھا، حضرت فاطمہؓ کا یہ طرز عمل سسرال میں رہنے والی خاتون کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ صبر وتحمل اور برداشت کرنے کا خود کو عادی بنائیں، شوہر کی طرف سے یا شوہر کے گھر والوں کی طرف سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جو طبیعت پر ناگوار ہو، اور مزاج لطیف پر گراں ثابت ہو تو اس کو برداشت کرنے کا خود کو عادی بنائیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبیدہ خاطر ہوجانا اور اس کی اپنے گھر والوں کو وقتاً فوقتاً اطلاع دیتے رہنا مسئلہ کا حل نہیں ہے؛ بلکہ اس سے مزید مسائل پیدا ہوتے ہیں، باہمی تعلقات پر برا اور منفی اثر پڑتا ہے، اس سے نہ صرف میاں بیوی کی ازدواجی زندگی تلخی کی شکار ہوتی ہے، بلکہ دو خاندانوں کے تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں، نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی حضرات سرپرست اور حضرات ذمہ داران کے لئے نمونہ ہے، لڑکی کے سرپرستوں کے لئے یہ پیغام ہے کہ لڑکی سے یہ خبر لیتے رہنا کہ تمہیں سسرال میں کیا تکلیف ہے؟ شوہر اور اس کے گھر والے تمہارے ساتھ کیسا رویہ برتتے ہیں؟ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ بحیثیت انسان ہر شخص

میں کچھ نہ کچھ اخلاقی کمزوریاں ہوتی ہیں، اور ہر ایک کا مزاج و مذاق قسام ازل نے فطری طور پر مختلف رکھا ہے، اس لئے ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے شکایات پیدا ہوجانا ناگزیر ہے، ایک کو دوسرے کا رویہ پسند نہ آنا فطری بات ہے، اب اگر بیٹی سے تفصیلی رپورٹ لی جائے گی، اور سسرال میں بیٹی کو جس رویہ اور سلوک کا سامنا ہے اس کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے گا تو یاد رکھئے کہ اس سے باہمی تعلقات کو نقصان پہنچے گا، اور آپس میں عداوت و دشمنی کی فضا پیدا ہوگی، تعاون و ہمدردی کا صالح جذبہ رفتہ رفتہ سرد پڑے گا، اور یہ چیز بسا اوقات تفریق اور علاحدگی کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔

مسئلہ کو جلد سے جلد حل کرنے کی کوشش: مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جب زوجین کے مابین ناچاقی پیش آجائے تو سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ فوری طور پر زوجین کے مابین مصالحت کرانے کی کوشش کریں، اور دونوں کی ازدواجی زندگی کو بحال کرنے کو یقینی بنائیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی اطلاع ملی حضرت علیؓ خفا ہوکر گھر سے باہر گئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت ایک شخص کو بھیجا، اور اس سے فرمایا کہ دیکھو! علی کہاں ہیں؟ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ مسجد نبوی میں آرام کررہے ہیں تو آپ وہاں تشریف لے گئے، واقعہ بھی یہی ہے کہ جب کسی مسئلہ کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے، اور اس کو آئندہ وقت کے لئے ٹال دیا جائے، تو بسا اوقات اس سے بڑے نقصانات ہوسکتے ہیں، جیسے ایک چھوٹی سی چنگاری کو یوں ہی جلتا چھوڑ دیا جائے، اور اسے معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا جائے تو پھر کچھ ہی دیر میں یہی چنگاری شعلۂ جوالہ بن جاتی ہے، اور اپنے اردگرد کی چیزوں کو خاکستر کرکے رکھ دیتی ہے، اسی طرح میاں بیوی جن کا ہمیشہ کا ساتھ ہوتا ہے، ہر ایک کا قلبی سکون و اطمینان اپنے رفیق حیات سے مربوط ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے ان کے مابین رنجش ہوجائے، اور اس کو حضرات سرپرست یوں ہی نظر انداز کردیں، اور اس کو فوری طور پر حل کرنے کی سنجیدہ کوشش نہ کریں تو آگے چل کر بڑے مسائل بھی کھڑے ہوسکتے ہیں، جن کو آسانی سے حل کرنا بسا اوقات ممکن نہیں ہوتا۔

داماد کا احترام: مذکورہ واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ایک خسر کو اپنے داماد کا احترام کرنا چاہئے، اس کی عزت و توقیر کا خیال رکھنا چاہئے، سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی کہ سیدنا علیؓ مسجد نبوی میں آرام کررہے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں پہنچتے ہیں، اور پیار بھرے انداز میں فرماتے ہیں: اے ابوتراب! اٹھو، اے ابوتراب! اٹھو، حضرت علیؓ کو اللہ کے رسول کا یہ دیا ہوا لقب اتنا خوش گوار محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کو اپنے نام کا حصہ بنالیتے ہیں، اور اس لقب سے اگر انہیں کوئی آواز دیتا تو خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے۔ (بخاری) پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گرد و غبار کو جو فرش پر سونے کی وجہ سے ان کے جسم پر لگ گیا تھا اپنے بابرکت ہاتھوں سے صاف کرتے ہیں، اندازہ لگائیے کہ وہ ذات جو سرور کائنات ہے، افضل الخلائق ہے، محبوب رب العالمین ہے، جس کے ایک معمولی اشارے پر حضرات صحابہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور جلال کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی آدمی کو آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، اس بابرکت ذات گرامی نے داماد کو نہ ڈانٹا نہ اس سلسلہ میں باز پرس کی، بلکہ ان کے ساتھ محبت و ہمدردی کا معاملہ کیا، ان کی عزت و توقیر فرمائی، ظاہر ہے کہ جب لڑکی کے سرپرست کی طرف سے داماد کی عزت افزائی کی جائے گی، اس کے ساتھ احترام اور توقیر کا معاملہ کیا جائے گا تو اس کے دل میں بھی لڑکی اور لڑکی کے گھر والوں کا احترام پیدا ہوگا، جو ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا واقعہ بھی ہمارے لئے بڑا عبرت آموز اور سبق آموز ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے میرا نکاح ایک قریشی خاتون سے کیا، جو خوب

صورت ہونے کے ساتھ ایک اچھے اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، میرے والد اپنی بہو کا خاص خیال رکھتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے بہو سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کیسا ہے؟ اس کا تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ ہے؟ بہو نے کہا: بہت اچھے آدمی ہیں، بستر پر نہیں آتے، اور حقوق زوجیت ادا نہیں کرتے ہیں، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد نے میرے متعلق یہ شکایت سنی تو مجھے بہت ڈانٹا، اور کہا کہ میں نے ایک معزز خاتون سے تمہارا نکاح کیا ہے، اور تم زوجیت کے حقوق ادا نہیں کرتے ہو، جب ان کی زجر وتنبیہ کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی، اور بیوی کے حوالہ سے جو میرا رویہ تھا اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم مسلسل دن میں روزہ رکھتے ہو، اور رات بھر نمازیں پڑھتے ہو، میں نے کہا یہ اطلاع صحیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کچھ دن روزہ رکھو، اور کچھ دن روزہ نہ رکھو، تھوڑی دیر کے لئے رات میں نماز پڑھو، اور بقیہ حصہ رات میں آرام کرو، کیونکہ تمہارے اوپر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، اور مہمانوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔ (مسند احمد)

مذکورہ بالا واقعہ میں سرپرستوں کے لئے یہ پیغام ہے کہ بچوں کی شادی کرنے کے بعد بچوں کی تربیت سے کنارہ کشی اختیار کرلینا درست نہیں ہے، اپنی اولاد کے ازدواجی مسائل سے دلچسپی نہ لینا صلحاء، متقی اور پرہیزگار لوگوں کا شیوہ نہیں ہے؛ بلکہ سرپرستوں کی جہاں یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے لئے ایک دین دار شریک حیات کا انتخاب کریں، اور شادی کی عمر کو پہنچتے ہی انہیں شادی کے رشتہ میں منسلک کردیں، اسی طرح یہ بھی ذمہ داری ہے کہ شادی کے بعد ازدواجی زندگی کی نگرانی بھی کریں، اور زوجین کو باہمی فرائض ادا کرنے کا پابند بنائیں، نیز زوجین کی عائلی زندگی کی نگرانی صحیح اور منصفانہ بنیادوں پر ہونی چاہیے، اگر سرپرست کو یہ محسوس ہو کہ میرے لڑکے یا لڑکی سے غلطی ہورہی ہے، حقوق کی ادائیگی میں میرا بچہ یا میری بچی کوتاہ ثابت ہورہی ہے تو اسے نظر انداز کردینا اور اس پر خاموشی اختیار کرلینا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ محبت اور خیر خواہی کے ساتھ لڑکے یا لڑکی کو اس کی غلطی پر متنبہ کیا جائے، اور اسے اصلاح حال پر آمادہ کیا جائے، اگر سرپرست کو یہ احساس ہو کہ میری پند ونصیحت کا لڑکے یا لڑکی کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا ہے، اور وہ اپنی سابقہ روش پر برقرار ہے تو کسی معتبر عالم دین یا معاملہ فہم دیندار شخص سے رجوع کیا جائے، اور اصلاح حال کی کوشش کی جائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے اپنے صاحبزادے کی فہمائش کی، باز نہ آنے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حرکتوں کی اطلاع دی، اور ان کی اصلاح کی درخواست کی۔

آج کے دور میں ازدواجی جھگڑے آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، میاں بیوی میں رنجش اور شکر رنجی ہوتی رہتی ہے، ایک دوسرے پر الزامات لگائے جاتے ہیں، پولیس اسٹیشنوں میں اس طرح کے کیس درج کرائے جاتے ہیں، طویل قانونی لڑائیاں اس کے لئے لڑی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ایک طرف خاندانوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں، آپس میں بغض وعداوت کے شرارے بھڑکتے ہیں، دوسری طرف ایسے ناخوش گوار ماحول میں نسل نو کے بھی اخلاق متاثر ہوتے ہیں، نئی نسل کی تعلیم وتربیت سے غفلت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس کے جہاں بہت سارے اسباب وعوامل ہیں وہیں ایک بنیادی اور اہم سبب سرپرستوں اور ذمہ داروں کی مجرمانہ غفلت بھی ہے، ضرورت ہے اس بات کی کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں سرپرست اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں، اور اس کو نبھانے کی کوشش کریں، شادی کے بعد بھی اپنے بچوں پر خاص نظر رکھیں، اور اپنے شریک حیات کے حقوق ادا کرنے کا انہیں پابند بنائیں ان شاء اللہ اس سے ایک صالح اور خوشگوار معاشرہ وجود میں آئے گا، جو سکون واطمینان اور چین کا گہوارہ ہوگا۔ ○○

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

قرآن میں ہر شخص اپنا تذکرہ پڑھ لے

قرآن کی نصیحت اور یاد دہانی سادہ اور عام فہم لفظوں میں ہر فرد کے لئے بالکل عام ہے۔ وہ سب کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کی طرف پلٹ کر آنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس کتاب عظیم کے لئے ''ذکر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ** (ص:۳۸:۸۷) یہ تو بس تمام دنیا کے لئے یاد دہانی ہے۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ (القلم :۶۸:۵۲) یہ تو سارے جہان والوں کے لئے ایک یاد دہانی ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ۔ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ۔ (التکویر: ۸۱:۲۷-۲۸) یہ تو سارے جہاں والوں کے لئے ایک نصیحت ہے تم میں سے ہر اس شخص کیلئے جو راہ راست پر چلنا چاہتا ہو۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ۔ (التکویر-۸۱-۲۶-۲۷)

پس تم کہاں بھاگے جارہے ہو، یہ (قرآن) تو ساری دنیا کے لوگوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ (الانبیاء-۲۱:۵۰)

اور یہ بابرکت ذکر ہم نے (تمہارے لئے) نازل کیا ہے۔ پھر کیا تم اس کو قبول کرنے سے انکاری ہو؟

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانعام-۶:۹۰) کہہ دو میں اس (دعوت دین) پر تم لوگوں سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لئے۔

ایک جگہ اس کتاب کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے: **والقرآن ذی الذکر۔** (ص:۳۸:۱) 'ذکر' و 'ذکری' کا مفہوم میں: ''نصیحت یا اچھی بات بتانا، یاد دلانا یا یاد دہانی کراتے رہنا، سب کچھ شامل ہے۔

بلاشبہ قرآن کریم سراپا یاد دہانی ہے، ہدایات ربانی کی اور احکام الٰہی کی۔ اس لحاظ سے قرآن کتاب ذکر بھی ہے:

یہ کتاب انسان کو بار بار یاد دلاتی ہے کہ اللہ کے بندے ہونے کا تقاضا کیا ہے؟

اس کے فرائض کیا ہیں؟

اس پر دوسروں کے کون کون سے حقوق عائد ہوتے ہیں؟

وہ انسان کو باخبر کرتی رہتی ہے کہ عقیدہ کیسے درست کیا جائے؟ عبادت کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

اخلاقی زندگی کی تعمیر کیسے ہو، لوگوں کے ساتھ تعلقات و معاملات میں کیا طرز عمل اپنایا جائے؟ ان آیات سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن کی نصیحت اور یاد دہانی بالکل عام فہم اور دل میں اُتر جانے والی ہے۔ یہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اس کے مخاطب معاشرے کے تمام طبقوں کے لوگ ہیں، خواہ وہ مومن ہوں یا غیر مومن، قرآن ماننے والے ہوں یا اس کے منکر، عوام ہوں یا خواص۔ اس کی نصیحت میں سب کے لئے بھلائی ہے اور اس کی یاد دہانی میں ہر ایک کے لئے خیر کا پہلو ہے۔ اس لئے سب کو اس کی طرف بلایا جارہا ہے اور ہر ایک سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اس سے فیض حاصل کرے۔ اس نعمت کی ناقدری پر باز پرس بھی ہوگی۔ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے سب کو یہ پیغام دیا جارہا ہے:

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُونَ۔ (الزخرف-۴۳:۴۴)

اور یہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کیلئے یاددہانی ہے اور عنقریب تم سب سے پرسش ہوگی۔

قرآن کریم ایک اور اعتبار سے 'کتاب ذکر' ہے، اگرچہ اس پہلو پر کم توجہ دی جاتی ہے، لیکن یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور وہ یہ کہ اس میں ہر شخص کا ذکر موجود ہے۔ اس میں ہر ایک کے حالات کا بیان ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَاباً فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (الانبیاء-۲۱:۱۰)

لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے، جس میں تمہارا ہی ذکر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

اس آیت میں لوگوں کو مخاطب کرکے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے، جس میں ہر شخص اپنا تذکرہ پڑھ سکتا ہے اور اس کے ذریعے اپنے احوال و اوصاف معلوم کرسکتا ہے۔ اپنی خوبیوں اور خامیوں کا پتہ لگا سکتا ہے۔ اس کے آئینے میں وہ اپنے عمل و کردار کی تصویر کا مشاہدہ کرسکتا ہے کہ عقائد و عبادات سے متعلق وہ قرآنی ہدایات پر کہاں تک دھیان دے رہا ہے؟ وہ جان سکتا ہے کہ اخلاق کے اعتبار سے وہ کس مقام پر ہے؟ اسے وہ قرآن سے دریافت کرسکتا ہے کہ معاملات میں صفائی و دیانت داری کے لحاظ سے وہ کس درجے میں ہے؟ وہ بخوبی پتہ لگا سکتا ہے کہ حقوق انسانی کی ادائیگی میں اس کی کیا تصویر بنتی ہے؟ وہ دیکھ سکتا ہے کہ معاشرے میں اس کا اپنا کیا مقام ہے، اللہ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے؟ یہ سب درجات اور کیفیات وہ اس کتاب و ہدایت کے ذریعے سمجھ سکتا ہے۔

غرض یہ کہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب اور ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے کہ اس میں افراد بھی اپنے خدوخال دیکھ سکتے ہیں اور قومیں بھی اپنی تصویر ملاحظہ کرسکتی ہیں۔ اس لئے کہ قرآن میں صحیح عقائد کی وضاحت کی گئی ہے۔ عبادات کی بجاآوری کا صحیح طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں سے تعلق قائم رکھنے کے اصول و ضوابط واضح کئے گئے ہیں۔ حسن اخلاق کے اعلیٰ نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ مالی معاملات میں صفائی و دیانت داری کی ہدایات دی گئی ہیں۔ سیاست وحکومت کے رہنما اصول وضع کئے گئے ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ وناپسندیدہ اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صاحب ایمان، فرمانبردار، صالح، متقی اور باکردار لوگوں کو ملنے والے اجر وثواب اور انعام واکرام کی خوشخبری دی گئی ہے۔ نافرمان، سرکش و بدکردار قوموں کے انجام بد سے خبردار کیا گیا ہے۔

ہمارا تذکرہ: قرآن میں ہمارا تذکرہ کہاں کہاں ہے اور کس انداز میں ملتا ہے؟ اسے چند مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے:

سورۂ احزاب کی آیت ۳۵ میں اہل اسلام کے ۸- اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور وہ ہیں: اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری، سچائی، صبر کرنا، اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا۔ اس آیت کو سمجھ کر پڑھنے پر ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پوری آیت میں اس کا ذکر ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۳۶ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، والدین، رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین، قرابت دار یا اجنبی پڑوسی، ہم نشین و عام مسافر اور اپنے مملوک کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ بے شک اللہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ جب اس آیت کا مفہوم کسی کے سامنے آئے گا تو اسے اپنی عملی زندگی کی روشنی میں اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ اس آیت کے کس حصے میں اس کا ذکر ہے، اور وہ اُن مطالبات کو کہاں تک پورا کررہا ہے؟

سورۂ حجرات آیات ۱۱-۱۲ میں اللہ کی یہ ہدایات ملتی ہیں: کسی کا مذاق نہ اڑاؤ، کسی پر عیب نہ لگاؤ، کسی کو برے لقب سے نہ یاد کرو، کسی کے بارے میں قیاس آرائیوں سے پرہیز کرو، کسی کی ٹوہ میں نہ لگے رہو اور کسی کی غیبت نہ کرو۔ جب یہ ہدایات کسی کی نظر سے گزریں گی تو اسے یہ اندازہ کرنے

میں ذرا سی بھی دشواری نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے جن خرابیوں و برائیوں سے منع فرمایا ہے، ان میں سے کن سے وہ پاک اور محفوظ ہے اور کن سے وہ بچ نہیں سکا بلکہ ملوث ہے۔

اسی طریقے سے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مال وزر کے حصول، ان کے استعمال و خرچ اور لین دین کے معاملات سے متعلق یہ احکام ملتے ہیں:

- ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ (البقرۃ:۲-۱۸۸)
- حلال وپاک چیزیں کھاؤ (لبقرۃ:۲-۲۳)
- مال و دولت کے حصول میں ناجائز ذرائع سے اجتناب کرو۔ (البقرۃ: ۲-۲۷۵)، المائدہ-۵:۹۰)
- مال ودولت ملنے پر نہ اتراؤ۔ (الحدید:۲۳)
- اپنے مال و دولت میں سے اقرباء، یتامیٰ، مساکین، مسافر و محرومین کے حقوق ادا کرو۔ (بنی اسرائیل:۱۷:۲۶، الذاریات-۵۱:۱۹)
- تنگ دست مقروض کو قرض کی ادائیگی کے لئے مہلت دو۔ (البقرۃ-۲:۱۹۵، المنافقون-۶۳:۱۰، التغابن-۶۴:۱۶)
- صدقہ وخیرات کرکے احسان نہ جتاؤ اور نہ ستاؤ۔ (البقرۃ-۲:۲۶۳-۲۶۴)
- مال خرچ کرنے میں ریا ونمود سے پرہیز کرو۔ (البقرۃ:-۲:۲۶۴، النساء-۴:۳۸)
- بخل وفضول خرچی سے اپنے کو دور رکھو۔ (اعراف-۷:۳۱، بنی اسرائیل- ۱۷: ۲۶-۲۷، ۲۹)
- امانتیں، اہلِ امانت کے حوالے کردو۔ (النساء-۴:۵۸، الانفال-۸:۲۷)
- ٹھیک ٹھیک اور انصاف کے ساتھ ناپو اور تولو۔ (الانعام-۶:۱۵۲، بنی اسرائیل-۱۷:۳۵، الرحمٰن-۵۵:۹)
- لین دین یا مالی معاملات میں جو وعدہ یا قول و قرار کرو، اسے پورا کرو۔ (المائدہ-۵:۱، بنی اسرائیل-۱۷:۳۴)

جب بھی یہ احکام الٰہی کسی کے سامنے آئیں گے تو اسے اپنے بارے میں بڑی آسانی سے معلوم ہوجائے گا کہ مالی معاملات میں اس کا ریکارڈ کتنا صاف ہے اور یہ کہ ان میں سے کس کس حکم پر عمل کا حق وہ ادا کررہا ہے؟

قرآن نے مختلف مقامات پر مومنین اور صادقین یا عاملین بالقرآن کے کردار اور اخلاق کی تصویر کشی کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ وہ ایمان و یقین پر جمے رہتے ہیں، اللہ کی عبادت میں مخلص وسنجیدہ ہوتے ہیں اور انسانی حقوق کی پاسبانی اور بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں۔

سورۂ فرقان کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے ان محبوب بندوں کے خصائص بیان کئے گئے ہیں:

رحمٰن کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل اُن کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ جو دعائیں کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب، جہنم کے عذاب سے ہم کو بچالے۔ اُس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے، وہ تو بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے۔" جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ اُن کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے، اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا، قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کرچکا ہو اور ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ (اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر اُن کا گزر ہوجائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزکاروں کا امام بنا۔"
(الفرقان-۲۵:۶۳-۶۴-۷۲-۷۴)

جب بھی کوئی شخص ان آیات کو سمجھ کر پڑھے گا تو اسے بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ ان

آیات میں کہاں کہاں اس کا ذکر ہے، یعنی ان میں بیان کئے گئے کن کن اوصاف پر وہ پورا اتر رہا ہے اور کن آیات میں اس کا ذکر نہیں ملتا؟ گویا اللہ کے محبوب بندوں کے کن اوصاف سے اس کی ذات عاری ہے؟ قرآن میں اپنا ذکر تلاش کرنا یا اس طرح کا جائزہ لینا ہر شخص کو اپنے بارے میں احتساب کا موقع عنایت کرتا ہے، جو لازمی طور پر اس کے کردار و اخلاق کو سنوارنے میں مدد دیتا ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت ۱۰ کے حوالے سے قرآن کریم کے کتاب ذکر ہونے کی حیثیت سے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق و اوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے۔ ہر چیز ان کے سامنے روشن و عیاں ہوتی تھی۔ وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اسی کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق و اطوار کی سچی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے اور بہت آسانی سے خود کو پہچان لیتے تھے۔ اگر ذکر خیر ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور کچھ اور ہوتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔ (سید ابوالحسن علی ندوی، قرآنی افادات (ترتیب: ر۔حقانی ندوی، رائے بریلی، ص-۵۶۲)

مختصر یہ کہ قرآن مجید انسان کو بار بار اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق یاد دلاتا ہے۔ یہ ایک صاف و شفاف آئینہ ہے، جس میں ہر شخص اپنے کردار و اعمال کی تصویر دیکھ سکتا ہے۔ یہ کتاب سب کے لئے بالخصوص اس کے پیغام کو قبول کرنے والوں کے لئے موجب رحمت ہے۔ اس کے علم پر عمل کرنا ذریعۂ نجات و فلاح ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے قرآن کریم بلاشبہ اللہ رب العزت کی سب سے بڑی نعمت ہے جو رحمۃ للعالمین و ختم المرسلین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے انسان کو مرحمت ہوئی۔ اس کی قدردانی کا تقاضا یہی ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے میں اس کو رہنما بنایا جائے، ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی میں درپیش مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ قرآن کریم سے خود تذکیر حاصل کرنا اور دوسروں کو اس کی نصیحت، ہدایات و تعلیمات یاد دلانا ہر حال میں نفع بخش ہے، جیسا کہ خود قرآن میں اس کی تاکید ملتی ہے: **وذکر فان الذکر تنفع المومنین۔** (الذاریات-۵۵:۵۱) اور یاددہانی کرتے رہو بے شک یاددہانی کرنا مومنین کو نفع بخشتا ہے۔

اللہ کرے ہمیں اس کی توفیق نصیب ہو اور ہم سب اس کتاب عزیز کے سچے عاشق اور مخلص خادم بن جائیں۔

○○○

मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मो0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से 1,2	"	120.00
नबी-ए-रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ-प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का रतर	"	50 00
अच्छे-अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम किदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफा-ए-रमजान	"	40.00
हमारे हुजूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

ڈاکٹر عبدالغفار مہکری

اسلامی تشخص نشانے پر

امت مسلمہ کے موجودہ حالات ایک تشویشناک حقیقت پیش کرتے ہیں، عالمی اور مقامی سطح پر امت مسلمہ مسلسل جدوجہد کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے۔ مانا کہ ایمان لانے کے ساتھ ہی مسلمان حق و باطل کی جدوجہد میں شامل ہوجاتا ہے، لیکن موجودہ حالات کچھ اس طرح تشکیل دیے جارہے ہیں کہ مسلمان اس حق و باطل کی جدوجہد میں دفاعی مورچہ سنبھالے رکھے اور بس۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان اس معرکہ میں محض اسلام کا علمبردار بن کے اسلام کی بقا کے لئے قربانیاں دے نہ کہ اپنے حقوق وتحفظات کے چکر میں اس معارکہ سے منہ موڑ لے۔ یہ حالت اس لئے پیدا ہوئی کیونکہ آج مسلمان کو اسلامی شناخت سے اسلامی تشخص سے دور کردیا گیا ہے، جیسا کہ کچھ سال پہلے ممبئی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے سالانہ اجلاس سے مخاطب ہوتے ہوئے مولانا رابع حسنی ندوی نے فرمایا: ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اگر ہے تو وہ ان کی دینی شناخت کی بقاء ہے۔ یقیناً یہ ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

اس پس منظر میں ضروری ہے کہ مسلمان اس بات سے واقف ہوجائیں کہ اسلامی شناخت سے مراد کیا ہے، کس طرح یہ حملوں کی زد میں ہے اور اسلامی تشخص کی بقاء کے مسئلہ سے کیسے نمٹا جائے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش ہمیشہ جاری رہی اور آج بھی جاری ہے اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس کشمکش کی نوعیت کو اور اس کی حقیقت کو پہچانیں۔ کیونکہ انہوں نے اگر اس بات کو مان لیا کہ ہم لاعلمی میں رہ کر ہی محفوظ ہیں تو وہ جان لیں کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ لاعلمی میں رہ کر وہ ناحق کا ساتھ دے رہے ہوں۔

جہاں تک شناخت یا تشخص کی بات ہے تو ہم سب سے پہلے اس لفظ کے اصل معنی کو جان لیں۔ عموماً جو معنی کتاب وبیان میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کا تشخص اس کے رنگ، زبان، قبیلہ، وطن یا برادری کی بنیاد پر متعین کیا جائے لیکن یہ ایک بالکل سطحی سوچ ہوئی۔ کیونکہ رنگ، زبان و وطن، یہ کسی شخصیت کی مکمل عکاسی نہیں کرسکتے۔ ان کی بنیاد پر کبھی یہ تعین نہیں ہوسکتا کہ فلاں شخص کس فکر کا حامل ہے۔ مثال کے طور پر ہوسکتا ہے کہ دو اشخاص جو مختلف ممالک سے ہوں، مختلف زبان اور مختلف رنگ کے حامل ہوں لیکن ان کا عقیدہ، فکر اور شخصیت میں بالکل ہم آہنگی پائی جائے۔ اسی طرح رنگ، نسب و زبان کی بنیاد پر کسی بھی طرح سے صحیح اور غلط، حق و باطل کے بیچ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، نہ ہی اس کی بنیاد پر شخصیت سازی یا معاشرہ کا نظام اخذ کیا جاسکتا ہے۔

اور جہاں تک مسلم شناخت یا اسلامی تشخص کی بات ہے، تو یہ جان لینا بے حد ضروری ہے کہ مسلم شناخت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی نے داڑھی رکھی لی، نمایاں اسلامی لباس زیب تن کرلیا، اسلامی نام رکھ لیا، اسلامی اخلاق کا حامل بن گیا یا ماشاء اللہ، سبحان اللہ جیسے اسلامی تکیہ کلام استعمال کرنے لگے، یہ سب تو اسلامی شعائر ہیں۔

دراصل کسی شخص کی شناخت اس کے فکری اصول اور زندگی میں وہ جو اقدار اپناتا ہے اس سے متعین کی جاسکتی ہے اور اسی سے تعین کیا جائے گا کہ یہ کس قسم کی شناخت کا حامل ہے۔ شناخت کو پہچاننے کا صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ پتا کیا جائے کہ فلاں شخص کس فکر کا، کس سوچ کا حامل ہے۔ صحیح و غلط کے درمیان فرق کرنے کے لئے اس کے پاس کیا معیار ہے اور یہ ہی معیار اس شخصیت سازی کی بنیاد بن سکتا ہے۔ لہٰذا اسی بنیادی فکر یا عقیدہ کی بنیاد پر اس کا تشخص طے کیا جائے گا۔

تشخص یا شناخت کی اس تعریف کے

مطابق اسلامی تشخص کا حامل وہ شخص کہلائے گا جس کی فکر اور اس کا عمل اسلامی عقیدہ و احکام پر مبنی ہوں۔ خالق کائنات نے اس دنیا کو بنایا، اس میں جنوں اور انسانوں کو مکین کیا، اور ان کو ایک مقرر مدت تک اس دنیا میں زندگی گزارنے بھیجا۔ لیکن یہ بے مقصد نہیں تھا۔ سورہ الذاریات آیت ۵۶ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ اللہ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا، اس لئے تاکہ وہ خالص اس کی بندگی کریں۔ لہٰذا اس مقصد حیات کو پورا کرنے کے لئے انبیاء کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ہدایت و رہنمائی کا انتظام فرمایا۔ وحی الٰہی کی آخری کڑی کی شکل میں رب الکائنات نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن میں ایک تفصیلی نظام حیات اتارا، اور اس نظام حیات کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کر کے دکھایا۔

یہ وہ نظام ہے جس نے بندہ کو یہ سکھلایا کہ اس کو زندگی میں کس طرح کا عقیدہ اپنانا ہے، اس کو عبادت کیسے انجام دینی ہے، معاشرتی زندگی کیسے منظم کرنی ہے، تجارت و معیشت کیسے چلانی ہے، سیاسی عدالتی فیصلے کس بنیاد پر کئے جائیں، انفرادی و اجتماعی زندگی میں کس قسم کے اقدار کو اپنایا جائے، کیا صحیح ہے اور کیا غلط، کیا حق ہے اور کیا باطل یہ سب باتیں اس نظام میں تفصیل سے بیان کی گئیں اور اس بیان یعنی قرآن کے تعلق سے فرمایا گیا: "ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء" ترجمہ: اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے:

(سورۃ النحل آیت: ۸۹)

لہٰذا جو اسلامی شناخت کا حامل ہو اس کے افعال، اس کی سوچ، اس کے اصول جس طرف لوٹتے ہیں وہ ہے اسلامی عقیدہ یعنی اس کا ایمان اور اس کے اعمال، صرف اور صرف اسلامی شرعی نصوص پر مبنی ہوں گے کسی اور نظریہ حیات سے اخذ کردہ نہیں۔ جو اسلامی شناخت کا حامل ہے وہ برادری و نسل کی بنیاد پر فرق نہیں کرتا، عرب و عجم میں فرق نہیں کرتا، کالے گورے، امیر غریب کے بیچ فرق نہیں کرتا۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ نے انسانوں کے بیچ فرق کا جو معیار رکھا ہے وہ ہے اللہ کا تقویٰ اور تقویٰ ایسا معیار ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں بھانپ سکتا۔ وہ ہر مسلمان کو اپنا بھائی مانتا ہے۔ وہ اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کر کے رکھتا ہے۔ معاشرہ میں اپنے تمام تعلقات مثلاً تجارت، نکاح، دوستی، وغیرہ ان سب کو وہ اللہ کی رضا کے مطابق متعین کرتا ہے۔ اس کے لئے دنیوی فائدہ و نقصان کوئی معنی نہیں رکھتے، اس کے لئے صرف اللہ کی خوشنودی اہمیت کی حامل ہے۔ اسلامی شناخت کا حامل حق و باطل میں ملاوٹ نہیں کرتا، اور جو بھی امور زندگی میں اس کے سامنے آتے ہیں انہیں صرف اور صرف اسلامی شریعت کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہی ہوتا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے، اس کی جستجو یہ ہی ہوتی ہے کہ اللہ ہم سے ناراض نہ ہو جائے، لہٰذا شریعت کے جتنے بھی احکام ہیں ان کو وہ انجام دیتا ہے، وہ اپنے تمام امور صرف اور صرف اللہ کے حکم کے مطابق بجالاتا ہے۔ یہ ہوتا ہے اسلامی شناخت کا حامل بننا۔

آج اس موضوع کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ جس ملک میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، پچھلے ایک عرصہ میں اس میں ایک سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی تبدیلی آئی ہے اور اس تبدیلی کا پس منظر یہ ہے کہ ایک زمانہ دراز تک یہ ملک ایک تقلیدی اور غیر منظم طرز زندگی کا حامل تھا۔ چند اصول و ضوابط، مختلف عقیدے، رسم و رواج موجود تھے لیکن معاشرہ کو منظم کرنے کا کوئی مستحکم معیار نہیں تھا۔ مرد و عورت کے بیچ غیر منظم تعلقات، دیوداسی اور ستی جیسے سماجی رواجوں میں گھرا ہوا، عورت کا گرا ہوا سماجی درجہ، ذات کی بنیاد پر بھید بھاؤ وغیرہ اس معاشرہ کے چند نمایاں مناظر تھے۔ آزاد ہندوستان کے پہلے صدر راجندر پرساد نے اپنی ایک تحریر میں اعتراف کیا کہ اسلام کے آنے سے پہلے ہند کی عورتوں میں صحیح طرح سینے کو ڈھکنے کا بھی رواج نہیں تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسلام ہندوستان میں آیا تب اسلام نے اس معاشرہ کو اسلامی

تہذیب میں ڈھالا، معیشت و معاشرت اسلامی اقدار کے مطابق منظم کی، ذات پات کے تفرقہ کو ختم کیا، ستی اور دیوداسی جیسے جاہلانہ طور طریقوں کو ختم کیا، عورت کا سماجی درجہ بلند کیا، عوام کے بیچ انصاف قائم کیا اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو ایک پرامن زندگی فراہم کی۔ مسلم حکمرانی کے دور کے بعد جب انگریز حکومت قابض ہوئے، تب سے لے کر آج تک مغربی تہذیب و اقدار کو اس معاشرہ میں نافذ کیا گیا ہے۔ آج حال کچھ یوں ہے کہ فسطائی طاقتوں کے ہاتھ میں سرمایہ داریت پر مبنی حکومت آچکی ہے اور وہ اسے اپنے مفادات کے مطابق استعمال کررہے ہیں۔ اور آج اس ملک میں لبرلزم، سیکولرزم (لادینیت)، سرمایہ داریت اور فسطائیت جیسے باطل نظریات رائج ہیں۔

تہذیبوں کے اس تصادم کے بیچ تمام تہذیبوں اور نظریوں کے سامنے ایک طاقتور چیلنج موجود ہے، اور وہ ہے اسلامی عقیدہ اور نظریہ زندگی۔ چاہے وہ مغربی تہذیب ہو یا فسطائیت، اسلام ان نظریات سے بالکل متضاد ہے، اور ان سے بالکل بھی ہم آہنگی نہیں رکھتا۔ اسلام خالق کائنات کی طرف سے نازل کردہ ایک مکمل طور پر منفرد نظریہ ہے۔ باقی تمام نظریات زندگی انسانی عقل کی پیداوار ہیں لیکن اسلامی نظام حیات انسانوں کے خالق کا نازل کردہ نظریہ ہے، اور اسی لئے اسلام دین تمام مسائل کو حل کرنے کی پوری قوت رکھتا ہے جو باقی نظریات حل نہیں کرسکتے۔ انہیں وجوہات کی بنیاد پر آج دین اسلام پر ایک سلسلہ وار نظریاتی جنگ جاری ہے۔ اسی فکری جنگ کے ضمن میں غیر اسلامی طاقتوں کے لئے سب سے اہم کام رہا مسلمانوں کی اسلامی شناخت کو ان سے چھیننا، اور ان کی سوچ اور عمل کو اسلامی بنیاد سے ہٹا کر ایک مادہ پرست اور لادینی بنیاد پر لا کھڑا کرنا۔ اس لئے مسلمانوں پر مختلف طرح کے نظریاتی سوال اٹھائے جاتے ہیں، کہ مسلمانوں کی آخر شناخت کیا ہے، ہندوستان جن اقدار کو اپناتا ہے کیا یہ بھی ان اقدار کے حامل ہے، یہ وطن پرستی میں یقین رکھتے ہیں یا نہیں، کیا یہ سیکولرزم (لادینیت) کو اپنانے کے لئے تیار ہیں؟ کیا یہ حریت اور آزادی میں یقین رکھتے ہیں؟ کیا یہ انفرادیت میں یقین رکھتے ہیں؟

اس طرح سے آج ایک لگاتار کوشش اس بات کی جاری ہے کہ اسلامی تشخص کو نشانہ بنا کر مسلمانوں کو اضطراب کا شکار بنایا جائے، ان کے بیچ تشخص کا ایک المیہ برپا کیا جائے تاکہ یہ اپنے آپ کو بے سمت پائیں اور بالآخر اقتدار پذیر قومیں انہیں اپنے مفاد کے مطابق استعمال کرسکیں۔ اسلامی تشخص کا معنی اور تہذیبوں کے تصادم سے تعارف کے بعد ضروری ہے کہ اسلامی تشخص پر جاری متواتر حملوں کو گہرائی سے سمجھا جائے اور شرعی نصوص سے اسلامی تشخص کی بقا کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔

○○○

ماہنامہ رضوان کے بارے میں تفصیلات

(فارم نمبر ۸ کے مطابق)

مقام اشاعت	:	۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸
وقفہ اشاعت	:	ماہنامہ
پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر	:	محمد حمزہ حسنی
ملکیت	:	مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸

میں محمد حمزہ حسنی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میری سمجھ کے مطابق درست ہیں۔

دستخط

محمد حمزہ حسنی

محمد ادریس عاصم

عہد نبوی ؐ میں نظام حکومت

دین اسلام میں جہاں ایک طرف نماز، روزہ، حج جیسی روحانی چیزوں کا ذکر ہے وہاں زکوۃ، تجارت، معیشت، سیاست کا بھی ذکر ہے۔ یہ قابل فکر ہے ہمارے لئے کہ کن حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ ایک حکومت قائم فرمائیں، حکومت کی اقامت پر مجبور ہونے کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ موجودہ دور میں روشن خیال، سیکولر طبقہ اور جدید مفکرین اپنے نظریات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ اسلام کا سیاست، تجارت، حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مگر حقیقت اس کے برعکس ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مملکت قائم کرتے ہیں اور اس مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حکمرانی بھی فرماتے ہیں، ہر چیز کا نظم ونسق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم فرمایا اور ایسا کامیاب نظام چھوڑا کہ آپ کے بعد صدیوں تک چل رہا ہے اور حکمران رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام سلطنت سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

۱- معاشی حل: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے مہاجرین کے معاشی مسائل کے حل کے لئے مواخات کا انتظام فرماتے ہیں۔ اس نظام سے مہاجرین اور انصار کی معاشی حالات بہت بہتر ہوجاتی ہیں۔

۲- دفاع: اس کے بعد محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ شہر کے سیکورٹی اور دفاع کی طرف توجہ فرماتے ہیں کیونکہ مدینہ میں کوئی نظام سلطنت نہیں تھا، وہاں کے لوگوں کے درمیان جھگڑے، لڑائیاں چل رہی تھیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر کو محفوظ بنانے کے لئے ایک ہنگامی اجلاس طلب فرماتے ہیں۔ اجلاس میں مسلم اور غیر مسلم کے قبائل کے بڑے سردار شریک ہوتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حکومت کے قیام کی تجویز پیش کرتے ہیں تو سب متفقہ طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدر منتخب کرلیتے ہیں۔

مملکت میں حکمران اور رعایا کے کیا حقوق ہوسکتے ہیں اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قبائل سرداروں سے مشورہ کرکے ایک دستور مرتبہ کیا۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ مملکت ایک مستقل اور خودمختار ہوگی اور غیر مسلموں کو ان کے دین کی پوری پوری آزادی ہوگی۔ ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں۔ "للمسلمین دینھم ولليهود دینھم" یعنی مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے ان کا دین ہے اور دفاع کے سلسلے میں یہ فیصلہ ہوا اگر باہر سے کوئی دشمن حملہ کرے تو ہر قبیلہ براہ راست مدافعت کرے گا، لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور فوج میں جو اخراجات ہوں گے ہر قبیلہ خود برداشت کرے گا، اس معاہدے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں مرکزی حکومت کے پاس کوئی خزانہ نہیں تھا لہٰذا مجبور ہوکر یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ لوگ رضاکارانہ اور بغیر تنخواہ کے فوج میں شامل ہوں، فوج کا سارا نظام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا، مدینہ میں سیکورٹی اور دیگر انتظامات کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے جنوب مغربی اور ساحلی علاقوں کی طرف تشریف لے جاتے ہیں اور غیر مسلم قبائل کو نئی قائم ہونے والی ریاست سے فوجی تعاون پر آمادہ کرکے معاہدہ کرتے ہیں۔

یہ طے ہوا کہ تم پر کوئی حملہ کرے گا تو مسلمان تمہاری مدد کریں گے، اگر کسی نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو تم مسلمانوں کی مدد کرو گے، اور یہ بھی معاہدہ تھا کہ قبیلے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے

دشمنوں سے دوستی بھی نہیں کریں گے، بہرحال ان معاہدات سے مدینہ کے چاروں طرف دوستوں میں اضافہ اور مخالفوں، دشمنوں میں کمی آ گئی۔

۳- نظام تعلیم: تعلیمی نظام یہ تھا کہ مدینہ میں صفہ کے نام پر درسگاہ تھی، شہر کے باشندے پڑھ کر چلے جاتے اور دور دراز علاقوں کے رہنے والے وہیں قیام کرتے، مختلف لوگوں کو ضرورت کے پیش نظر مختلف علوم وفنون پر تعلیم اور تربیت دی گئی۔ جو لوگ بالکل اَن پڑھ تھے ان کو لکھنا پڑھنا سکھایا گیا، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدینہ کے اندر 9 مساجد تھیں، ہر مسجد اپنے محلے کے لئے ایک درسگاہ کی حیثیت رکھتی تھی، بچے اور بالغ پڑھتے تھے۔

قباء میں ایک مسجد اور مدرسہ تھا وہاں وقتاً فوقتاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے جاتے اور ذاتی طور پر نگرانی فرماتے۔ مدینہ میں اور مضافات کے علاقوں میں اساتذہ مقرر تھے، انہیں حکومت کی طرف سے تنخواہیں دی جاتی، بہترین تعلیمی نظام کا اندازہ ایک واقعہ سے کیجیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن کے طور پر بھیجتے ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وہاں جا کر تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ تعلیمی ادارے بھی قائم کرتے ہیں، اسی طرح صوبوں اور شہروں میں بھی تعلیم کا ایسا انتظام کیا گیا۔

۴- نظام عدل: عدلیہ کا قیام ریاست کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے شمار ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بہترین انتظام فرمایا، مدینہ میں قاضی یعنی ججوں کو مقرر کیا۔ کسی مسائل اور جھگڑے کے حل کے لئے لوگ وہاں تعینات ججوں کے پاس جاتے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آتے، فی الفور مقدمہ درج کر کے فیصلہ سنایا جاتا، علاقوں اور شہروں کی فتوحات ہونے کے ساتھ عدالتی انتظامات میں اضافہ کیا جاتا۔

یمن کے علاقے نجران کے عیسائیوں کے وفد کی درخواست پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا، سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ نے وہاں اپنے فرائض بخوبی سرانجام دیئے کہ یمن میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا، بہت سے عیسائی متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

۵- گورنرز کا تقرر: صوبوں کا نظام کنٹرول کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گورنر مقرر کئے، جن کی سرگرمیوں اور کارکردگی کے حوالے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نگرانی فرمائی۔

۶- سفارتی نظام: ریاست مدینہ میں سفارتی نظام بھی تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرونی ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ان کے پاس اپنے سفیروں کو بھیجتے، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ ان سفیروں میں بعض مرتبہ غیر مسلم بہت سفیر بنے، وزارت خارجہ کا عہدہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، بعض روایات میں ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وزارت داخلہ کے منصب پر فائز تھے، اندرونی معاملہ کو حل کرتے۔

۷- مالیاتی نظام: اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاست مدینہ کے مختلف انتظامات کے ساتھ مالیات کا بھی شعبہ قائم فرمایا، کیونکہ آمدنی کے مختلف ذرائع تھے مثلاً زکوٰۃ، صدقات، مال غنیمت، مال فئی، غیر مسلموں سے جزیہ، خراج وغیرہ، حکومتی آمدنی کے نگران حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھے، ذرائع آمدنی میں سے ایک یہ بھی تھی کہ صاحب نصاب یعنی مالدار لوگ اپنی رقم حکومتی خزانے میں جمع کراتے، اگر کوئی کاشتکار ہوتا تو وہ پیداوار کا ایک حصہ ادا کرتا، تاجر بھی اپنے سرمایہ تجارت پر رقم دیتا، کسی کے پاس لوہے سونے یا اس زمانے میں کسی اور چیز کی کانیں ہوتیں تو وہ لوگ اس کی ایک مقدار حکومت کے خزانے میں جمع کرواتے۔ اسی طرح شہر مدینہ سے باہر سلطنت میں شامل شہروں اور علاقوں کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے تحصیلدار بھیجے جاتے تھے۔ چند ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامی محصل مقرر کئے۔

(باقی.....صفحہ.....40.....پر)

شہید حکیم محمد سعید

حقوقِ نفس

اس دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے ان میں سے اکثر میں معاشرتی حقوق کو اہمیت دی گئی ہے اور سب سے زیادہ اہمیت ہر مذہب نے ماں باپ کے حقوق کو دی ہے۔ اگر بہ اعتبار فطرت اس پر غور کیا جائے تو ماں باپ اور ان کے حقوق کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، وہ بھی ماں باپ کے حقوق کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے، مگر دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام نے ایک امتیاز کی شان اختیار کی ہے۔ حقوق کے معاملے میں اسلام نے یہ امتیاز قائم کیا ہے کہ اس نے انسانی حقوق کی درجہ وار تفصیل بھی مہیا کر دی ہے کہ کوئی نکتہ تشنہ نہیں رہ گیا۔ انسانوں کے انسانوں پر جو حقوق ہیں ان کی درجہ بندی کے علاوہ حیوانات، نباتات اور جمادات کے حقوق کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ انتہائے احتیاط یہ ہے کہ انسان پر اپنے نفس کا بھی جو حق ہے اس کو بھی درجۂ کمال اہمیت دی گئی ہے، بلکہ اصرار ہے کہ اسلام میں دوسرے مذاہب کی طرح کی ایسی نفس کشی جائز نہیں ہے جو انسان کی اپنی ہلاکت کے مترادف ہو۔

چنانچہ سرکار دو عالم فخر رسل، رحمۃ للعالمین کے مطابق ہر انسان کا خود اپنے اوپر بھی حق ہے، بلکہ اس کے ایک ایک عضو کا اس پر حق ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔"

بعض دوسرے مذاہب میں اس بات کو تقویٰ اور پرہیزگاری سمجھا جاتا تھا کہ انسان اپنے جسم کے اعضا کو زیادہ سے زیادہ مشقت میں مبتلا کرے، نفس کی خواہشات کو مختلف غیر فطری طریقوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کرے، دنیا سے کنارہ کش ہو جائے اور آبادی سے الگ تھلگ دھیان گیان میں مشغول رہے، مگر اسلام نے قطعیت کے ساتھ ان غیر فطری اصولوں پر پابندی لگا دی اور یہ تعلیم دی کہ رہبانیت اور تقشف یعنی اپنے اوپر سختیاں عائد کر لینا اس کی نگاہ میں مطلوبہ طریقہ عبادت نہیں ہے، بلکہ اسلام اس کا سخت مخالف ہے۔

اسلام میں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ نفس کو مار ڈالا جائے، بلکہ اسلامی شریعت یہ چاہتی ہے کہ نفس کے تمام حقوق ادا کئے جائیں اور اُسے زندہ اور کارآمد رکھا جائے، لیکن اس طرح کہ نفس فرمان الٰہی کے تابع رہے۔ اسلام کا انداز فکر یہ ہے کہ نفس کو مار ڈالنا نہیں بلکہ اسے قابو میں رکھنا انسان کا تقویٰ ہے اور تزکیہ نفس منتہائے مقصود ہے۔ اس کی مثال ایک تلوار کی سی ہے۔ تلوار سے بے گناہوں کا قتل کیا جا سکتا ہے، اس لئے سابق شریعتیں کہتی تھیں کہ تلوار کو توڑ کر پھینک دو یا اسے اس طرح کند کر دو کہ اس میں کوئی قوت ہی باقی نہ رہ جائے۔ اس کے برعکس اسلام کہتا ہے کہ تلوار کو نہایت اچھی حالت میں رکھو، لیکن اسے فرمان الٰہی کے تابع کر دو تاکہ مظلوموں کی حمایت کے کام آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نفس کو اس کے حقوق سے محروم کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید یہ تھی کہ دنیا میں کھاؤ پیو، اچھے لباس پہنو، شادی بیاہ کرو، لیکن ہر حال میں اسلامی شریعت کی حدود میں رہنے کی کوشش کرو۔ اعتدال و توازن قائم رکھو۔

عبادت بے شک اللہ سے لو لگانے کا وسیلہ ہے، لیکن اسلام اس بات کو پسندیدہ نہیں سمجھتا کہ اپنے جسم کو اس کی برداشت

سے زیادہ تکلیف دی جائے۔

ایک بار ایک صحابی خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک نے ترک غذا اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کرلیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں، غذا سے بھی اور نکاح سے بھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی نہ پاکر دونوں صحابی اپنے ارادے سے باز رہے۔ عرب میں مدت سے یہ طریقہ رائج تھا کہ بعض لوگ کئی کئی دن مسلسل روزے رکھتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس کا ارادہ کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ انہیں روک دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زہد وتقویٰ کے لئے اپنے ہم عصروں میں بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے عہد کرلیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ عرض کیا: ''ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر تمہارے جسم کا حق ہے۔ آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے۔ مہینے میں تین دن روزے کافی ہیں۔''

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ دوسرے مذاہب والوں کی طرح نفس کو اس کے حقوق سے محروم نہ کرو۔ اس کے حقوق ادا کرتے رہو اور قابو میں رکھنے کی کوشش کرو، اور نفس کے تزکیہ کی شان پیدا کرو۔ اصل کمال یہ ہے کہ اپنے نفس کے حقوق بھی ادا کئے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی بھی کی جائے۔ اسلام نے دین کے ساتھ دنیا کی فلاح و بہبود کا بھی انتظام کیا ہے اور یہ دعا سکھائی: ''اے ہمارے رب! اس دنیا میں بھی ہمیں فلاح و خیر عطا فرما اور آخرت میں بھی اپنی بخشش اور خوشنودی سے سرفراز فرما۔'' اس طرح دنیا کے کامون کو بھی، اگر وہ شریعت کی حدود کے اندر ہوں، عبادت اور اللہ کی خوشنودی کا وسیلہ قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو عبدیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے اور رسالت کے منصب سے بھی سرفراز فرمائے گئے تھے، جب عبادت وریاضت میں اس سے زیادہ مشغول رہنے لگے جو خالق ارض وسما کو مطلوب تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل میں گویا اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ نفس کے حقوق کا بھی خیال رکھیں۔ چنانچہ فرمایا:

ترجمہ: ''رات کو قیام کیا کریں، مگر تھوڑی رات۔ قیام آدھی رات کریں یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ۔''

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سے ہر طرح راضی تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ چاہتا تھا کہ آپ نفس کے حقوق بھی ادا کرتے رہیں، یعنی آرام بھی کریں، رات کو سویا بھی کریں۔ اس سے نفس اور جسم زیادتی کا شکار نہیں ہوں گے بلکہ انہیں جو اُن کا حق ہے وہ ملتا رہے گا۔

غرض اسلامی شریعت اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ انسان احکام الٰہی کے دائرے میں رہ کر اس دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرے کہ تمام ابنائے جنس کے حقوق بھی ادا ہوتے رہیں اور نفس بھی ظلم وزیادتی کا شکار نہ ہو۔ اسلام ایک دین فطرت ہے، اس کی شریعت کا کوئی امر اور کوئی حکم فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ اسلام جب توازن اور عدل واعتدال کا مشورہ دیتا ہے اور میانہ روی کو خیر قرار دیتا ہے تو وہ فطرت کے عین تقاضے پورے کرتا ہے۔

نفس اور حقوق نفس کے باب میں بھی شریعتِ اسلامیہ نے اعتدال کو بدرجہ کمال اہمیت دی ہے۔ ایک طرف اصرار ہے کہ نفسِ انسانی کے تمام حقوق ادا ہونے چاہئیں اور اس کے ساتھ ہی فیصلہ دیا ہے کہ نفس کو تابع فرمانِ الٰہی ہونا اور رہنا چاہیے۔ نفس کے تزکیہ کی راہ بتادی اور اسے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس روشنی میں ہمیں چاہئے کہ ہم افراط وتفریط سے بچتے رہیں۔ عبادت بھی کریں اور دوسروں کے حقوق بھی ادا کریں۔

○○○

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س : زید ٹیلرنگ کا کام کرتا ہے، اس نے بتایا کہ ہم نے اپنے کسٹمروں سے کہہ دیا ہے کہ بچا ہوا کپڑا یا کترن تم لوگ لے جایا کرو مگر کوئی نہیں لیتا۔ اب زید بچے ہوئے کپڑے یا کترن کسی اور کو ہدیہ دے تو وہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

ج : اس مسئلہ کا دارومدار عرف پر ہے، کترن اور بالکل معمولی کپڑا جس کو عرف میں کوئی نہیں لے جاتا۔ اس کو ٹیلر ماسٹر خود بھی لے سکتا ہے اور کسی کو دے تو وہ بھی لے سکتا ہے، زیادہ کپڑا جس کے بارے میں عرف یہ ہے کہ مالک لے جاتا ہے اس کو نہ وہ خود استعمال کرسکتا ہے نہ کسی کو دے سکتا ہے، الا یہ کہ مالک صراحۃً ٹیلر ماسٹر کو لینے کی اجازت دے دے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کیلئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کا مال اپنے حق کے بغیر لے۔ (**لا یحل لامری ان یاخذ مال اخیہ بغیر حقہ**، مسند احمد :۵/۷۲) (کتاب النوازل-۱۲/۵۹۸)

س : بعض کتے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، ان کی مرغیوں اور بکریوں کو کھا لیتے ہیں، ان کا مار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح کی بلی کو مارنا کیسا ہے؟

ج : اگر کتے یا بلی سے جانی مالی نقصان پہنچتا ہے تو ان کو مار ڈالنا جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ ایسے طریقہ سے مارا جائے کہ ان کو کم سے کم تکلیف ہو، مثلاً ان کو گولی ماردی جائے یا تیز چھری سے ذبح کردیا جائے۔ (ہندیہ-۵/۳۶۶)

یہ حکم آوارہ کتوں اور بلیوں کا ہے، اگر یہ کسی ملکیت میں ہوں تو خود مارنے کے بجائے ان کے مالکین پر دباؤ ڈالا جائے کہ ان کو مار ڈالیں۔

س : آج کل مچھر کو کرنٹ کے ذریعہ مارنے کی جو مشین پنکھے جیسی نکلی ہوئی ہے، اس سے مچھر مارنا کیسا ہے؟

ج : اس میں مچھر جل کر مرتا ہے، اور بلاضرورت کسی جاندار کو آگ سے جلانا منع ہے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے، پھر مچھر مارنے کے دوسرے طریقے بھی موجود ہیں، لہٰذا اس کو جلا کر مچھر مارنا مکروہ ہے، ہاں یہ مشین کہیں رکھی ہو اور مچھر خود اس میں ٹکرا کر مرجائیں تو کراہیت نہیں ہوگی "**ان النار لا یعذب بھا الا الآیہ**" (مشکوٰۃ) (ہندیہ-۵/۳۶۱)

س: بگلا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

ج : بگلا کھانا حلال ہے، البتہ اگر اس کی کوئی قسم ایسی ہو جو نجاست بھی کھاتی ہو تو وہ نجاست کھانے والی مرغیوں کے حکم میں ہوگا، یعنی تین دن اس کو روکے رکھے پھر بلا کراہیت کھا سکتا ہے۔ (بدائع-۶/۱۹۷)

س : بکرے اور بھینسے وغیرہ کی اوجھڑی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ج : حلال جانوروں کی اوجھڑی کھانا جائز ہے، اس لئے کہ اوجھڑی ان سات چیزوں میں سے نہیں ہے جن کا کھانا منع ہے، لیکن اوجھڑی میں چونکہ نجاست بھری رہتی ہے لہٰذا اس کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد ہی کھانا حلال ہوگا۔ (بدائع-۶/۲۷۲)

س : زید نے ایک تالاب میں مچھلی پالی ہوئی ہے، اس نے نکاسی کے تمام راستوں کو جال سے بند کردیا ہے، پھر بھی تیز بارش ہونے پر وہاں سے مچھلیاں نکل جاتی ہیں، اور پاس کے دوسرے تالاب میں چلی جاتی ہیں جو کہ عوامی تالاب ہے، اب اس دوسرے تالاب میں لوگ کیا ان مچھلیوں کا شکار کرسکتے ہیں؟

ج : بارش کی وجہ سے جو مچھلیاں تالاب سے باہر نکل گئیں، جن کو مالک بغیر شکار کئے آسانی سے پکڑ نہیں سکتا تو وہ مچھلیاں اس کی ملکیت سے خارج ہوگئی ہیں۔ دوسرے لوگوں کے لئے ان کا پکڑنا جائز ہے۔ (ہندیہ-۵/۴۲۰)

(باقی .....صفحہ.....42.....پر)

میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟

حق کی تلاش میں

ہالینڈ کے نو مسلم نور الدین ولد یمن کی کہانی

مجھ سے بیشتر لوگ سوال کرتے ہیں کہ آپ نے اسلام کیوں قبول کیا؟ مجھے اس وقت اور بھی حیرت ہوتی ہے جب مسلمان مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں۔ عام طور پر میرا یہی جواب ہوا کرتا ہے کہ یہ واحد سچا مذہب ہے۔ مجھے کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس میں بال بال بچنے کے بعد میں نے اسلام قبول کرلیا۔ مجھے کوئی ایسی روشنی یا نور بھی نہیں دکھائی دیا جس کی وجہ سے میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا، حتیٰ کہ مجھے پوری طرح اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ میں نے کب مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔ کچھ لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ فی الواقع مجھے خدا کی تلاش تھی، نہ زندگی کا کوئی خاص مقصد ہی میرے پیش نظر تھا۔ مجھے تو تاریخ، فلسفہ اور سوشیالوجی کے موضوع پر کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ اسی شوق کی تسکین کے لئے میں مختلف بک اسٹورز سے کتب تلاش کرتا رہتا تھا۔

یہ کوئی ۲۰۰۳ء یا ۲۰۰۴ء کی بات ہوگی۔ ایک روز میں ایک بک اسٹور میں داخل ہوا تو مجھے ایک سبز رنگ کی کتاب نظر آئی جس کا نام Islam: Values, Principles and Reality (اسلام: اقدار، اصول اور حقیقت) تھا۔ میں نے اسے اٹھالیا اور مجھے خیال آیا کہ اگرچہ میں کچھ مسلمانوں کو جانتا ہوں لیکن مجھے ان کے دین اور عقائد کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اس کتاب کو خرید لیا تاکہ یہ جان سکوں کہ اسلام کیا ہے؟ اس وقت مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کتاب کو خرید کر دراصل چار ساڑھے چار سال کی طوالت پر مبنی اس سفر کا آغاز کررہا ہوں جو بالآخر میرے قبول اسلام پر جاکر ختم ہوتا ہے۔

اسلام کے مطالعے سے قبل میرے ذہن میں اسلام کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں تھیں۔ مثال کے طور پر مجھے اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ ایک مسلمان اپنے آپ کو کیسے ایک نیک اور اچھا انسان سمجھتا ہے، جب کہ دوسری طرف وہ اپنی بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوتی تھی کہ مسلمان مکہ میں ایک چوکور پتھر (یعنی خانہ کعبہ) کی عبادت کیوں کرتے ہیں، جب کہ مجسموں اور عمارتوں میں کوئی طاقت نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی کی مدد کرسکتے ہیں۔ اسی طرح میں یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ مسلمان دوسرے مذاہب کو کیوں برداشت نہیں کرتے، بجائے اس کے کہ وہ یہ کہیں کہ سب لوگ اسی خدا پر ایمان رکھتے ہیں ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر میں نے اسلام پر مطالعہ شروع کیا۔

پہلی کتاب کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کتاب میں پڑھتا چلا گیا۔ چند برسوں کے مطالعے کے بعد مجھے یہ پتہ چلا کہ ہر وہ بات جسے میں اسلام کا حصہ سمجھتا تھا اور جس کی مخالفت کرتا تھا، درحقیقت اسلام بھی اس کی مخالفت کرتا ہے۔

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک اچھا مسلمان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان خانہ کعبہ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ مجسموں اور اس نوعیت کی چیزوں کی عبادت کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ اسلامی تہذیب اپنی پوری تاریخ

میں مذہبی برداشت کی کرۂ ارض پر بہترین مثال ہے۔

میں اسلامی تعلیمات اور اسلام کے ان بنیادی اصولوں کو جان گیا جن سے اسلام کا مطالعہ کرنے سے قبل بھی مجھے اتفاق تھا۔ مطالعے کے دوران میں یہ راز منکشف ہوا کہ بہت سے موضوعات پر میرا نقطہ نظر اسلام کے نقطہ نظر کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے متعلق میری معلومات کا بڑا ذریعہ کتابیں تھیں۔

میرے گرد و نواح میں کوئی ایسی دعوتی سرگرمیاں نہ تھیں جو میرے لئے معاون و مددگار ثابت ہوتیں، اور میرے رابطے میں ایسے لوگ بھی نہ تھے جو دعوت کا کام مؤثر انداز میں کرسکیں۔ مجھے جو تھوڑی بہت مدد ملی، وہ ان لوگوں سے ملی جو میرے ملنے جلنے والے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ہالینڈ میں دعوت کا کام کس حد تک منظم ہے۔

جب رمضان کا مہینہ آیا تو میں نے سوچا کہ میں بھی روزہ رکھ کر دیکھوں۔ مجھے یہ خیال اس لئے بھی آیا کہ کسی کتاب کے مطالعے سے اس کیفیت کا اندازہ نہیں ہوتا جو روزہ رکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے مسلمان دوستوں سے تذکرہ کیا کہ میں بھی ان کے ساتھ روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ حاصل کیا اور انٹرنیٹ سے ۳۰ دن میں قرآن پاک کے مطالعے کا پروگرام بھی حاصل کرلیا۔ جب میں نے ان سے کہا کہ میں مکمل قرآنِ مجید کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں اور رمضان کے بعد شوال کے روزے بھی رکھوں گا تو ان میں سے کچھ نے اس کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا تھا اور نہ انہوں نے کبھی شوال کے روزے رکھے تھے۔ میں نے کچھ دودھ اور کھجوریں بھی خرید لیں اور اپنے ساتھ کام پر لے گیا تاکہ روزہ کھول سکوں اور اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ یہ سنت ہے جس پر ہمیں عمل کرنا چاہیے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ اگر انہوں نے روزانہ ایک پارہ نہ پڑھا تو قرآن کے مطالعے کے دوران اٹھنے والے سوالات کے جوابات میں کہاں سے حاصل کرسکوں گا۔ چنانچہ ہم نے ایک گروپ کی شکل میں قرآن کا اجتماعی مطالعہ شروع کردیا۔ گھر کی خواتین کھانا تیار کرکے دے دیتی تھیں جو ہم اپنے کام کے دوران افطار کے بعد کھاتے تھے۔ اس طرح مجھے کچھ نئے قسم کے کھانوں کا تجربہ بھی ہوا۔ یوں ہمیں رمضان میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اور بہت لفظ آیا۔ اسی طرح میری زندگی کی پہلی عید بھی آئی۔

> **میرا قبولِ اسلام کا سفر مطالعہ کتب کے ذریعے طے پایا۔ میں نے اسلام کے نظریے سے متاثر ہوکر اسے قبول کیا۔ میرا یہ فیصلہ کوئی جذباتی فیصلہ نہ تھا بلکہ سوچا سمجھا اور منطقی فیصلہ تھا۔ میں نے اسلام کی ان تعلیمات تک رسائی حاصل کی جو آسانی دستیاب نہ تھیں۔ پھر ان کا موازنہ کیا اور ان پر گہرا غور و فکر کیا۔ اسلام، میرے ہر سوال کا جواب تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا نہ شروع کیا تو پھر میں ایک منافق ہوں گا۔ ایک یا دو ہفتے بعد، میں اور میرا مصری دوست، دونوں ایک قریبی مسجد میں گئے۔ اس نے امام صاحب کو پہلے ہی سے میری آمد کا مقصد بتادیا تھا۔ اس موقع پر میرے والد صاحب بھی موجود تھے۔ امام صاحب نے کلمہ شہادت لفظ بہ لفظ پڑھا، اور میں نے بھی اسی طرح لفظ بہ لفظ ادا کیا۔**

رمضان کے بعد میں اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اپنے قصبے کی مسجد میں گیا۔ میرے نزدیک کسی اچھے کام کے لیے خرچ کرنا، ایک صحیح بات تھی، اس لیے مسلمان نہ ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہ تھی۔ میں مسجد کے خازن سے ملا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں؟ میں نے کہا کہ میں مسلمان نہیں ہوں، البتہ میں نے رمضان میں روزے بھی رکھے ہیں اور اب زکوٰۃ ادا

کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کے لئے جلدی نہ کریں بلکہ اپنا اطمینان کرنے کے بعد اسلام قبول کریں۔

اس کے بعد کئی ماہ گزر گئے اور میں اسلام پر مطالعہ کرتا رہا۔ بیش تر کتب جو میرے زیر مطالعہ رہیں وہ غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تھیں، مثلاً کیرن آرمسٹرانگ۔ میں نے کچھ وقت اسلام پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کے مطالعے پر بھی لگایا۔ میں نے مذہبی بنیادوں پر انتہا پسندی اور دہشت گردی اور تہذیبوں کے تصادم جیسے موضوعات پر بھی مطالعہ کیا اور اسی طرح دیگر موضوعات بھی زیر مطالعہ رہے۔ اس تمام تر مطالعے کے نتیجے میں، میں نے جب بھی کوئی سوال اٹھایا تو اسلام کی طرف سے ہمیشہ اطمینان بخش جواب ملا۔ اطمینان بخش جواب کے حوالے سے یہ بھی واضح رہے کہ میں نے جب بھی مسلمانوں سے بات کی تو وہ مجھے مطمئن نہ کر سکے، البتہ اپنے مطالعے کے نتیجے میں جتنی معلومات بھی میں نے اکٹھی کیں، ان سے مجھے ہمیشہ اطمینان بخش جواب ملا۔

اگلے سال رمضان کے اختتام پر میں ایک بار پھر واپس اپنے قصبے کی مسجد میں گیا تا کہ اپنی زکوٰۃ ادا کر سکوں تو ایک دفعہ پھر میری ملاقات مسجد کے خازن سے ہوئی اور اس نے مجھے پہچان لیا اور مجھ سے دوبارہ پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہو گیا ہوں؟ میں نے کہا کہ نہیں، میں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا، اور آپ ہی نے تو مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں جلد بازی نہ کروں۔ اس نے کہا کہ ہاں، میں نے جلد بازی سے منع کیا تھا لیکن اس فیصلے میں اتنی تاخیر بھی نہیں ہونی چاہئے۔

بطور غیر مسلم یہ میرا آخری سال تھا۔ اس سے قبل میں نے شراب پینا چھوڑ دی تھی۔ میں نے سگریٹ نوشی بھی ترک کر دی تھی۔ میں نے کوشش کی کہ میں آگے بڑھ کر نیکی کا کام کروں اور دوسروں کو بھی ترغیب دلاؤں۔ اسی طرح خود برائی سے رک جاؤں اور دوسروں کو بھی برائی سے بچنے کی تلقین کروں۔ گویا میں نے ایک طرح سے دعوتِ دین اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک بار مجھے ترکی جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں کچھ تاریخی مساجد دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں مجھے فطرت کی نشانیوں کو پہلی مرتبہ بغور دیکھنے کا موقع ملا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ سے قرب کی عجب کیفیت تھی اور یہ بڑھتی چلی گئی۔ کبھی کبھار میں نے اپنے انداز میں نماز بھی ادا کی جو اس نماز سے مختلف تھی جس طرح میں آج بحیثیت مسلمان نماز ادا کرتا ہوں۔ اس موقع پر جس طرح سے میں نے نماز ادا کی اور جو میری قلبی کیفیت تھی، اس سے قبل کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اندر کوئی انقلابی تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔ میں برابر اسلام کا مطالعہ کرتا رہا، تاہم اب میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال بھی شروع کر دیا۔

ہالینڈ کی سماجی امور سے متعلق ایک معروف ویب سائٹ ہائیوز (Hyves) ہے جس کے ذریعے میرا ایک ڈچ نومسلم خاتون سے رابطہ ہوا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں تو میں نے اسے بتایا کہ میں ابھی تک مسلمان نہیں ہوا ہوں۔ اس نے مجھے دعوت دی کہ میں اس کے گھر آؤں اور اس کے شوہر سے ملوں جو کہ پیدائشی طور پر مسلمان ہے، اسلام پر عمل پیرا بھی ہے اور مصر میں پیدا ہوا تھا۔ میں ان کے گھر گیا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر اسلام کے بارے میں بات چیت بھی کی۔ جب دوسری مرتبہ میں ان سے ملا تو انہوں نے مجھے درست طریقے سے نماز ادا کرنا سکھائی جس کے لئے میں نے ان سے درخواست کی تھی۔ میں نے اپنے طور پر بہتر سے بہتر انداز میں نماز ادا کرنے کی کوشش کی اور وہ مجھے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں واقعی اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے کہا: ہاں، میں اس کے لئے تیار ہوں۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوں، اگرچہ میں نے باضابطہ طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن پچھلے چند برسوں سے میں اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ اللہ جو خالق کائنات ہے، اور سچا واحد خدا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں اس بات پر بھی یقین رکھتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نہ صرف رسول ہیں بلکہ آخری رسول ہیں جنہوں نے دین کی تکمیل کی۔ میں روزہ رکھنا چاہتا تھا، زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا تھا، نماز ادا کرنا چاہتا تھا اور آج بھی حج کے لئے میرے اندر تڑپ موجود ہے۔

میرا قبول اسلام کا سفر مطالعہ کتب کے ذریعے طے پایا۔ میں نے اسلام کے نظریے سے متاثر ہو کر اسے قبول کیا۔ میرا یہ فیصلہ کوئی جذباتی فیصلہ نہ تھا بلکہ سوچا سمجھا اور منطقی فیصلہ تھا۔ میں نے اسلام کی ان تعلیمات تک رسائی حاصل کی جو آسانی دستیاب نہ تھیں۔ پھر ان کا موازنہ کیا اور ان پر گہرا غور و فکر کیا۔ اسلام، میرے ہر سوال کا جواب تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا نہ شروع کیا تو پھر میں ایک منافق ہوں گا۔

ایک یا دو ہفتے بعد، میں اور میرا مصری دوست، دونوں ایک قریبی مسجد میں گئے۔ اس نے امام صاحب کو پہلے ہی سے میری آمد کا مقصد بتا دیا تھا۔ اس موقع پر میرے والد صاحب بھی موجود تھے۔ امام صاحب نے کلمہ شہادت لفظ بہ لفظ پڑھا، اور میں نے بھی اسی طرح لفظ بہ لفظ ادا کیا۔ میرے قبول اسلام کے بعد امام صاحب نے استقامت کے لئے دعا بھی کی جس کا میرے مصری دوست نے ڈچ زبان میں ترجمہ کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں میلوں سے بھاگتا چلا آ رہا تھا اور اب بالآخر منزل مقصود تک پہنچا ہوں۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر ایک نئی روح پھونک دی گئی ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ میں نے اپنے اوپر قابو پایا۔ اب میں پرسکون اور مسرور تھا۔ اسی دوران مجھے خیال آیا کہ میں نے دین کا نور پالیا ہے، چنانچہ میں نے اپنا نام نوردین رکھنے کا فیصلہ کیا۔

قبول اسلام کے بعد میں اپنے قصبے کی مسجد میں واپس گیا۔ جیسے ہی میں مسجد میں داخل ہوا، مجھے وہی خازن ملا جس سے میری اس سے قبل ملاقات ہوئی تھی۔ اسی نے مجھ سے ایک دفعہ پھر پوچھا کہ کیا آپ مسلمان ہو چکے ہیں؟ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: جی ہاں، میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میرا نام نوردین ہے۔ اس نے فوراً الحمدللہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ تلاشِ حق کے ایک طویل سفر کے بعد بالآخر آپ دین حق کی نعمت سے سرفراز ہو گئے۔

○○○

بقیہ..... عہد نبویؐ میں نظام حکومت

۸-کلرکوں، کاتبوں کا تقرر: سلطنت کے اہم ترین انتظامات سنبھالنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دفتری نظام (سکریٹریٹ) کا شعبہ قائم فرمایا۔ ان عہدوں پر تعینات لوگ حساب، کتاب اور لکھنا خوب جانتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ نازل ہونے والی وحی تحریری شکل میں لکھا کرتے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بعض لوگ قبائل کے سرداروں اور حکمرانوں کو خطوط لکھا کرتے تھے اور کچھ لوگ زکوٰۃ کا اندراج کرتے یعنی رقم کس سے وصول ہوئی، کس پر خرچ کی گئی، اسی طرح جنگوں سے جو مال غنیمت حاصل ہوتا تو اس کے بارے میں تمام تفصیلات لکھ دی جاتیں۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ریاست مدینہ کا رقبہ تاریخی شواہد کے اعتبار سے تین ملین یعنی 30 لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل تھا۔

اس وسیع سلطنت میں فلسطین و عراق کے جنوبی علاقے کے حصے بھی شامل تھے۔ جیسے جیسے ریاست مدینہ میں وسعت آتی گئی ضرورت کے موافق سلطنت میں ہر ایک کا انتظام کیا جاتا تھا اور بعد کے زمانے میں جو ترقی یافتہ انتظامی ادارے نظر آتے ہیں ان سب کی بنیاد عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑ چکی تھی۔

○○○

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

ان مسائل کو مت چھیڑئے جو فتنہ اور انتشار کا سبب بنے

شریعت کے ذیلی مصادر میں سے ایک اہم مصدر اور اصل سد ذریعہ بھی ہے۔ اہل علم وافتاء، صاحب علم وفضل اور ارباب تحقیق کے لئے یہ بات محتاج بیان نہیں کہ شریعت میں بہت سے منصوص احکام بھی ۔۔ سد ذریعہ۔۔ پر مبنی ہیں۔ جو چیزیں شریعت میں اصلا جائز ہیں لیکن وہ کسی بڑے مفسدہ اور ضرر وفتنہ کا باعث بنتی ہیں، شریعت ان پر پابندی لگا دیتی ہے، اس کی سینکڑوں مثالیں قرآن وحدیث میں ہیں۔ سد کے معنی بند کرنا ہے۔ پس سد ذرائع کے معنی ہیں ایسے اقوال واعمال اور افعال پر بندش لگانا جو بذات خود مباح اور جائز ہیں لیکن کسی ممنوع کے ارتکاب کا بالواسطہ سبب بن جاتے ہیں۔ اکثر فقہاء (کی کتابوں کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ) تعبیرات کے فرق کے باوجود وہ سد ذرائع کے اصول کی رعایت کرتے ہیں۔ سد ذرائع کی ایک مثال یہ ہے کہ معبودان باطل کو برا بھلا کہنا اصلا ممنوع نہیں ہے۔ لیکن چونکہ انہیں سب وشتم کرنے میں اس کا پورا امکان اور اندیشہ ہے کہ ان کے پرستار رد عمل کی نفسیات کا شکار ہوکر اللہ جل شانہ کو سب وشتم کرنے لگیں۔ اس لئے معبودان باطل کو سب وشتم کرنے سے قرآن میں منع کیا گیا ہے۔ اہل قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو مالی تنگی کی وجہ سے خانہ کعبہ کا ایک حصہ اس میں شامل نہیں کیا، جو حطیم کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا؛ کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمہاری قوم ابھی نئی نئی اسلام لائی ہے تو میں خانہ کعبہ کو منہدم کرکے دوبارہ اس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر از سر نو کرتا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کرتا، ظاہر ہے کہ بناء ابراہیمی پر کعبہ کی تعمیر نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے اس کام کو انجام نہیں دیا کہ کہیں قریش کے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوجائے کہ ہمارے باپ دادا کی تعمیر کو منہدم کیا جارہا ہے اور اس سے خدانخواستہ دل میں کدورت پیدا ہو۔ جو ان کے ایمان کو متاثر کرے۔ جب منافقین کی شرارت، خفیہ چال اور بعض گھناؤنی اور غلط حرکتوں پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت چاہی کہ ہم انہیں قتل کردیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے منع کردیا کہ اگر ہم انہیں قتل کریں گے تو یہ بات مشہور ہوگی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، اس سے بچنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو قتل کرنے سے منع کیا۔ حالانکہ ان کی ریشہ دوانیاں فتنہ سامانیاں اور سازشی اعمال اور حرکتیں انہیں قتل کا مستحق بنا چکے تھے۔ سد ذرائع پر فقہاء اور اہل علم کی جو کاوشیں ہیں اور خصوصا علامہ ابن قیم رح نے اعلام الموقعین میں اور علامہ قرافی نے الفروق میں اور علامہ شاطبی نے الموافقات میں بہت عمدہ اور نفیس بحثیں کی ہیں اور بہت سے جدید مسائل کے حل تک ان کی روشنی میں پہنچے ہیں۔ علماء اور اہل علم کو توجہ سے ان اصولی

مباحث کو پڑھنا چاہیے کیونکہ ہماری عائلی معاشرتی اور سیاسی مسائل کی بہت سی پیچیدگیوں اور گتھیوں کو ان اصولوں کی روشنی میں سلجھایا جاسکتا ہے اوران مسائل کی تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اوپر کی اس تحریر کو پیش کرنے کا مقصد ابھی صرف یہ ہے کہ علماء اور اہل علم خدارا ان مسائل اور تحقیقات کو ہرگز نہ چھیڑیں جو فتنہ اور انتشار کا سبب بنے اور جس سے امت کی توجہ اصل مسئلہ سے ہٹ جائے اور امت کے افراد فروعات میں الجھ کر رہ جائیں۔ ایسے حالات میں جب کہ امت مسلمہ اور خصوصا امت مسلمہ ہندیہ کی اینٹ سے اینٹ بجائی جارہی ہے، ان کے وجود کو ختم کرنے کی پوری سازش رچی جارہی ہے بلکہ رچی جاچکی ہے، ان کے عائلی اور معاشرتی قوانین کو بدلہ جارہا ہے، ان سے کھلے عام نفرت کی جارہی ہے، ان کے ملکی شناخت اور شہریت کو ختم کیا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں امت کے علماء اور اہل علم و دانش حضرات یزید کے مسلمان ہونے نہ ہونے پر بحث کریں۔ قرآن مجید کی ترتیب پر بحث ومباحثہ کریں، ایام قربانی کے اوقات وایام کی تحقیق پر دماغ سوزی اور زور آزمائی کریں یہ بہت ہی افسوس دکھ اور حیرت کی بات ہے۔ جب سد ذریعہ کے طور پر کسی جائز اور مباح کام اور قول وعمل کو بھی شریعت مصلحتاً ناجائز قرار دے دیتی ہے اور اس پر قدغن لگا دیتی ہے تو ان اصحاب علم و تحقیق کے تفردات اور نظریات و خیالات اور آراء و افکار پر کیوں پابندی نہیں لگائی جاسکتی یا وہ خود کیوں نہ سداللذرائع اپنے افکار ونظریات پیش کرنے سے رک جاتے ہیں جن کی تحقیق اور چھان بین صحابہ تابعین تبع تابعین اور اسلاف کے عشر عشیر کا بھی عشر عشیر نہیں ہے۔ علماء اور اہل علم کو غور کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود خواہش اور آرزو کے حطیم کو خانہ کعبہ میں شامل کیوں نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منافقین کو قتل کرنے سے باوجود اس کے کہ وہ قتل کے مستحق تھے کیوں منع فرمادیا؟ کیا ہم لوگ اپنا ریسرچ اور اپنی تحقیق ان سے زیادہ بہتر اور اعلی سمجھتے ہیں، اور کیا ہم اپنی خواہش اور آرزو وچاہت کو نبی صحابہ اور اسلاف سے بڑھ کر سمجھتے ہیں؟ اس لئے خدارا امت کو الجھائے مت ان کے جو اصل مسائل ہیں ان کو حل کیجئے اس سے راہ فرار مت اختیار کیجئے۔ مشاجرات صحابہ، یزید کو لعن طعن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یزید مسلمان تھا یا نہیں؟ منکر نکیر قبر میں یہ سوالات نہیں کریں گے۔ وہاں یعنی قبر کے سوالات بھی آؤٹ ہیں اور میدان محشر میں جو پانچ سوالات ہیں وہ بھی آؤٹ ہیں ہم سب ان سوالوں کے جوابات کی تیاری کریں غیر ضروری موضوعات اور لایعنی چیزوں سے بچیں۔ ہمارے ذمہ جو کام ہے ہم جن علمی تحقیقی اور طبی اداروں کو چلاتے ہیں اور جن مدرسوں اور مکاتب وجامعات کے ذمہ دار ہیں ان اداروں کو فکرمندی اور ثابت قدمی کے ساتھ چلائیں تاکہ امت کے سرمائے اور پونجی کا صحیح نتیجہ اور ریزلٹ آئے اس پر زیادہ دھیان دیں۔ ○○

بقیہ..... سوال و جواب

س: ایک گاؤں میں قبرستان میں درخت لگے ہوئے ہیں۔ ان کو فروخت کرکے ان درختوں کی رقم گاؤں ہی کی مسجد پر صرف کرنا کیسا ہے؟

ج: اگر قبرستان اور درخت مخصوص لوگوں کا ہے تو اگر اس کے مالکین اس پر راضی ہوں کہ درختوں کی رقم مسجد میں لگادی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ وہی لوگ ان درختوں کے مالک ہیں، لیکن اگر قبرستان عوامی ہو، تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہو تو درختوں کی رقم مسجد میں اسی وقت لگ سکتی ہے جب کہ قبرستان کو اس رقم کی کوئی ضرورت نہ ہو، مثلاً اس کی چہار دیواری وغیرہ پہلے ہی سے بنی ہوئی ہو، اور اگر عام قبرستان میں خرچ کی ضرورت ہے تو یہ رقم اسی میں صرف کی جائے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی معامش الہندیہ-۳/۳۱۱، المحیط البرہانی-۹/۱۴۹)